

سہ ماہی

صدائے مدینۃ العلوم

جولائی - ستمبر ۲۰۲۲ء

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم میماری پور بابردھمان مغربی بنگال

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم معماری کا علمی، فکری، ثقافتی اور اصلاحی ترجمان

سہ ماہی

صدائے مدینۃ العلوم

جولائی - ستمبر ۲۰۲۲ء

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا **قاری شمس الدین احمد** قاسمی وعلیگ، مہتمم جامعہ ہذا

مدیر تحریر:

زبیر احمد ثانی قاسمی

شعبۂ نشرو اشاعت:

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم

معماری، پوربا بردھمان، مغربی بنگال (الھند)

کمپوزنگ وٹائٹل:

مولانا ثناء اللہ مدنی

Address:
SADAYE MADINATUL ULOOM
JAMIA ISLAMIA
MADINATUL ULOOM
Memari, Purba Bardhaman, W.B.
Pin : 713146
Ph.- (0342) 2250521 / 7074729889
E-Mail : jamiamemari@gmail.com

Owner, Printer, Publisher
Qazi Shamsuddin Ahmad
Place of the Publication:
Madina Market,
Memari, Dist: Purba Bardhaman,
West Bengal
Printed at New Centuri Graphics
Kayemia Masjid Lane.
208 B.C Road, Purba Bardhaman(W,B)

فہرست

انقلاب کی سنہری صبح

(اداریہ)

کچھ دنوں قبل سیاسی بازی گروں کو اپنی سیاست چمکانے کے لیے کوئی ایسا موضوع ہاتھ نہیں لگ رہا تھا جس سے نزاعی صورت حال پیدا کی جاسکے، نفرتی اور مسموم فضا کو مزید زہر آلود کیا جاسکے، اور مسلمانوں کے خلاف تعصب رکھنے والی زعفرانی میڈیائی ہرکارے، تشدد ونفرت پھیلانے کے لیے بھاڑے پر لائے گئے کرائے کے ٹٹو اور حکومت کے زرخرید غلام، امن عامہ، بھائی چارہ اور ملکی سالمیت کے دشمن، فرقہ پرست اور زعفرانی رنگ میں دوش تا کمر ڈوبی ہوئی حکومت کے لیڈروں کے اشارے پر ننگا ناچ کررہے تھے۔

میڈیا ہرکارے مہنگائی سٹہ بازاری، بدعنوانی، کسانوں کی خودکشی جیسے سلگتے مسائل پر کوریج کرنے کے بجائے تشدد، نفرت، فرقہ واریت، عدم تحمل، حکومت کی چاپلوسی، اور حکومت کے تخریبی سر میں سر ملانے کو فوقیت دے رہے تھے۔ اور ان تخریبی عمل کو مزید دراز تر کرنے کے لیے ڈیبٹ پر جہلاء کی ایک ٹیم ہوتی تھی جو نیوز چینلوں پر آکر حلق پھاڑ کر اپنی جاہلیت کا ثبوت پیش کررہی تھی۔

حجاب کے مسئلے کو دانستہ طور پر طول دیا گیا، ایک مہینے تک اس مسئلے پر مباحثہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ملک کو کس طرف لے جانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، جب کہ ملکی قانون میں ہر مذہب کے ماننے والے کو مذہبی آزادی کے تحت اپنی اپنی پسند کا لباس زیب تن کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

حجاب کو مدعا بنا کر جس طرح ڈرامہ رچا گیا ہے وہ ایک جمہوری ملک کی سالمیت اس کے امن عامہ، مذہبی آزادی جیسے اہم حقوق ومفاد عامہ کے لیے سم قاتل سے کم نہیں اور میڈیا کا حکومتی کو

ٹھے پرفرقہ پرست طاقتوں کی پازیب پہن کر رقص کرنا یہ تاثر دے رہا تھا اور اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ میڈیا جمہوریت کا چوتھا ستون نہیں ،فرقہ پرست طاقتوں اور ظلم وانارکی میں دوش تا کمر ڈوبی ہوئی حکومت کا دست و بازو اس کا نمائندہ وہرکارہ بلکہ صاف لفظوں میں یوں کہیے کہ حکومت کا چوتھا ستون ہے۔جس پر موجودہ فسطائی حکومت کی دوغلی پالیسیاں عام شہریوں کی کمر توڑ دینے والی مہنگائی ،بدعنوانیاں ،کالا بازاری ،لوٹ کھسوٹ، دنگا فساد،قتل و غارت گری ،مکاری ،دھوکہ بازی ،بدامنی و بے چینی روزمرہ کے عام مسائل کی بنیاد ہے۔جس سے عام شہری جوجھتے ہیں۔اگر کسی دانش ور سے میڈیا کی موجودہ روش کے حوالے سے پوچھیے تو اس کا یہی جواب ہوگا کہ میڈیا کی ان مجرمانہ روشوں کی پاداش میں سرعام بیچ چوراہے پر اس کا گلہ گھونٹ دینا چاہیے اور پھانسی دے دینی چاہیے۔

ہمیں خوشی اس بات سے ہے کہ شیر میسور ٹیپو سلطان کی شہزادیوں نے اپنی تمام تر کمزرویوں کے باوجود ان یورشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور از اول تا آخر میدان میں ڈٹی رہیں اور دنیا کو اپنے خاموش احتجاج کے ذریعے بتلا دیا کہ بھارت اب سونے کی چڑیا نہیں رہا،جس کی اکثریت کی کم ظرفی کا عالم یہ ہے کہ اس کے خونیں پنجے صنف نازک کے پردے اور حجاب پر اٹھ رہے ہیں ،اور انھیں چاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔اور پھر اس کم زور مخلوق کی عصمت تار تار ہو جائے گی۔

ان بہادر شیرنیوں نے فحاشی وعریانی کے اتنے سارے پروپیگنڈے کے باوجود مسلم ماؤں اور بہنوں کو خصوصاً تمام بنات حوا کو عموماً یہ پیغام دیا کہ ہم یورپ کے عریاں اور وحشی کلچر کو فالو نہیں کرتے ،ان کی ننگی تہذیب کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں۔ہم اگر مانتے ہیں تو صرف اور صرف فاطمہ الزہراءؓ عائشہ صدیقہؓ کی عصمت و پاکدامنی شرم وحیا کی زریں اور سنہری تہذیب کو مانتے ہیں اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

چنانچہ اپنے خلاف فیصلہ آنے کے بعد تمام طالباؤں نے تعلیم اور امتحان کا بائیکاٹ کیا اور اپنے گھر چلی گئیں۔ پھر چوں کہ ایک مہینہ کی سیاسی گرما گرمی کے بعد جن لوگوں نے ووٹ کے لیے اس مسئلے کو اچھالا تھا ان کو ان کا مقصود مل چکا تھا ان کی حکومت پھر دوبارہ قائم ہوگئی لہذا سیاسی پارہ کم ہوا، پرنسپل نے اپنے حکم نامے میں ترمیم کی اور ان طالبات کو موقع دیا، رزلٹ آیا تو بہت سی باحجاب لڑکیاں جج بن گئیں۔ اور اس طرح ان زعفرانی طاقتوں کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید ہوگیا۔

آزادیِ نسواں

عورتوں کے لیے آزادی کا مطلب یہ ہے انھیں تہذیب گھسیٹے پھرے بازاروں میں

حیف کہ اب بھی وہاں پر ہے درندوں کا ہجوم آدمیت ابھی روپوش ہے جن غاروں میں

کبھی ظالم، کبھی منصف، کبھی قاتل کی طرح تری تہذیب رہی ہے کئی کرداروں میں

گل کھلاتے ہیں جو مغرب کے تراشیدہ صنم خوب ہنگامے ہیں تہذیبی طرب زاروں میں

پہلے رچتی ہے محبت کے نئے ڈھونگ مگر ہار جاتی ہے تو چنواتی ہے دیواروں میں

ثانیؔ ارریاوی

قربانی تمام شعبہ ہائے حیات میں قربانی کا درس دیتی ہے

ازقلم...قاری شمس الدین احمد قاسمی وعلیگ (مہتمم جامعہ)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس دین و شریعت کے ساتھ مبعوث کیا گیا اس سے گذشتہ تمام شریعتیں اور ان کے احکام منسوخ اور کالعدم قرار دے دیے گئے، اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے ساتھ خاص کر دی گئیں، کہ جو شخص اس کے احکامات و ہدایات اور فرامین پر ایمان لائے گا اور دل و جاں سے عمل پیرا ہوگا دنیا و آخرت کی کامیابیاں اس کا مقدر ہوں گی، اور خداوند قدوس کی خوشنودی و رضامندی اس کو حاصل ہوگی اور جو شخص اس سے رتی بھر انحراف کرے گا، غیر دین کو دین میں شامل کرنے کی کوشش کرے گا اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جائے گا، دونوں جہاں کی ناکامیاں اس کا نصیبہ ہوں گی۔

تاہم بہت سارے احکام اور اہم و اچھی باتیں جو انبیاء سابقین کے ذریعے وقوع پذیر ہوئیں اور جن احکامات کے ذریعے عظیم الشان پیغام امت مسلمہ کو دینا مقصود تھا، ان سب کو باقی رکھا گیا اور ان احکامات کی ترغیب دی گئی:

یومِ عاشورہ کا روزہ: یہ روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے گلوخلاصی اور نجات ملنے کی خوشی میں رکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بنی اسرائیل کے ذریعے اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ تم لوگوں کی بنسبت ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں؛ لہذا ہم پر ان کی اتباع زیادہ لازمی اور ضروری ہے! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یومِ عاشورہ کا روزہ رکھا اور اپنی امت کو یہ روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ (الصحیح للبخاریؒ: ۴۸۱/۱)

چناں چہ حدیث شریف میں ہے:

قدِمَ رسولُ اللہِ صلَّی اللہُ علیہِ وسلَّمَ المدینۃَ فرأى الیھودَ یصومونَ یومَ عاشوراءَ فقال لھم: ما ھذا الیومَ الذی تَصومونہُ قالوا: ھذا یومٌ صالحٌ ھذا یومٌ نَجَّی اللہُ فیہ بَنِی إسرائیلَ من عدُوِّھم فصامہُ موسی علیہِ السلامُ فقال رسولُ اللہِ صلَّی اللہُ علیہِ وسلَّمَ: أنا أحقُّ بموسَی منکم فصامہُ رسولُ اللہِ صلَّی اللہُ علیہِ وسلَّمَ وأمَرَ بصومِہ۔

التخریج: أخرجہ البخاری (4680)، ومسلم (1130) باختلاف یسیر، وأحمد (2831) واللفظ لہ۔

اسی طرح قرآن مجید نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کے زہد وتقویٰ، حضرت داؤد علیہ السّلام کے شکر، حضرت زکریا علیہ السلام کی عبادت وریاضت اور دیگر تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کے ترغیبی اعمال اور ان کی شریعت کے خاص خاص احکام کو جس اہتمام کے ساتھ بیان کیا اور ان احکامات پر عمل کرنے کی تلقین کی یہ اپنے آپ میں اسلام کی تعلیمات کے حدود وابعاد کی وسعت و گہرائی اور اس کے روشنی ہونے کی بین دلیل ہے اور ان انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع کا حکم فرمایا کیوں کہ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کو ہدایت عطا کی گئی اور خدا تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم اور انعام ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑی عظمت ورفعت کے حامل پیغمبر گزرے ہیں جن کے دین کو دینِ حنیف قرار دیا گیا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو ان کی اتباع کا خصوصی حکم دیا

گیا، نیز سینکڑوں انبیاء کرام علیہم السلام آپ کی اولاد میں ہوئے؛ بلکہ خود حضرت خاتم النبیین ﷺ آپ کی دعاؤں کا نتیجہ اور آپ کی اولاد میں ہیں، اس مناسبت سے ان کے بہت سارے اعمال شریفہ اور احکام مبارکہ قرآن کریم میں مفصلا بیان کیے گئے ہیں؛ نیز متعدد احادیث مبارکہ میں آپ کے اعمال وافعال کا ثبوت ملتا ہے جن پر عمل پیرا ہونے کی تاکید وترغیب وارد ہوئی۔

قربانی کا عمل بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کی یادگار ہے اس واقعے کو جس خوبصورت پیرائے میں بیان فرمایا ہے اس سے ایمان ویقین تر وتازہ ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں تن من دھن کی بازی لگادینے اور اپنا سب مال ومتاع اور اپنی جان لٹادینے کی ترغیب ملتی ہے۔

جب ہم ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پر معروضی نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکمل حیاتِ طیبہ کسی نہ کسی قربانی سے عبارت ہے اور تمام عبادت و ریاضت خدا کے حضور میں خود سپردگی سے عبارت ہے اپنی بیوی اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی آپ نے بچپن سے اسی کی تعلیم دی چنانچہ پیدائش کے بعد ہی وادی غیر ذی زرع میں اکیلی ماں اور شیر خوار بچے کو چھوڑ دیا اور جب اہلیہ پوچھ رہی ہیں کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ اور منشا خداوند معلوم ہونے پر بیوی کا مکمل اطمینان کے ساتھ کہنا کہ پھر وہ ہماری حفاظت فرمائے گا۔

یہ سب آئیندہ آنے والے آزمائشی حالات کی مشق وتربیت تھی؛ پھر سب جانتے ہیں کہ ان کی تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ منشاء خداوند متعال جب خود کو قربان کردینے کا معلوم ہوا تو بغیر کسی پس وپیش کے یہ کھیلنے کودنے کی عمر والا بچہ کہتا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے تیار ہوں! پیکرِ عزم وہمت اور استقامت کے پہاڑ باپ کی اپنے لائق وہونہار بیٹے کو حضرت حق تعالیٰ کا فرمان اور منشا سنیے اور اس پر اس نیک طینت فرزند کا جواب بھی ملاحظہ کریں:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ ٱلسَّعۡيَ قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلۡمَنَامِ أَنِّيٓ أَذۡبَحُكَ فَٱنظُرۡ مَاذَا تَرَىٰۚ قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُۖ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ (الصافات: ۱۰۲)۔

ترجمہ: جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ گویا تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجیے، خدا نے چاہا تو اپ مجھے صابروں میں پائیے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت کے بارِ گراں اٹھانے سے پہلے ہی جو جو مشقتیں برداشت کیں یہ سب ہمیں اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی رضا وخوشنودی کے لیے جا بجا قربانی کا درس دیتی ہیں، ہمیں اس بات پر ابھارتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی رضا وخوشنودی کے لیے ہمیں اپنی جان مال اور عزت وآبرو بھی قربان کر دینی پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظالم وجابر بادشاہ نمرود کو حق کی دعوت دی اور اپنی قوم کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کی سزا میں آپ کو دہکتی آگ میں جھونک دیا گیا؛ لیکن آپ کا پائے استقامت ذرا سا بھی متزلزل نہیں ہوا اور نہ ہی ڈگمگایا ؂

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

علامہ اقبالؒ

اس توکل علی اللہ کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ دہکتی ہوئی آگ گلِ گلزار ہوگئی اور بغیر کسی تکلیف اور پریشانی کے آپ آگ سے باہر نکل آئے اسی طرح ماں باپ کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے چھوڑنا پڑا، ملک سے ہجرت کرنی پڑی اور جانے کیا کیا مصائب سے دوچار ہونا پڑا، لیکن کبھی آپ نے پس وپیش سے کام نہیں لیا بلکہ جس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اس کو بلا چون و چرا کر گزرے۔

موجودہ دور میں عالمی منظر نامہ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور مسلمانوں کے لیے انتہائی صبر آزما اور مصائب سے پر دور ہے جو بھی مسلمان ہے اس کو صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے تنگ کیا جاتا ہے، مسلمانوں کی املاک پر حملہ کیا جاتا ہے اور تو اور ان کی عزت و آبرو تک محفوظ نہیں ہے ان کی مساجد پر زعفرانی طاقتوں کے خونیں پنجے بڑھ رہے ہیں، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ سب سرکاری سر پرستی میں ہو رہا ہے۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اکبر الٰہ آبادی

ایسے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشقت بھری حیاتِ طیبہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اگر ہمارے ساتھ کوئی ظلم و زیادتیاں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے اور شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کی وجہ سے لوگ مشقتوں سے دو چار کرتے ہیں، ہمیں گھر بار چھوڑنا پڑ رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے ماں باپ بھائی بہن بیوی بچے جیسے رشتوں سے ہاتھ دھونا پڑ رہا ہے تو ان حالات میں گھبرانہیں جانا ہے، بلکہ انتہائی صبر و تحمل اور ہمت اور استقامت کا مظاہرہ کرتے رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین سے رتی بھر انحراف اور تجاوز نہیں کرنا ہے؛ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سرور کائنات ﷺ و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مشقت بھری حیاتِ مبارکہ سے سبق لیتے ہوئے انھیں کے نقشِ قدم پر چلنا ہے کیوں اس ساٹھ ستر سالہ مختصر زندگی اگر مشقت بھری ہے تو کوئی بات نہیں ابدی سکون و اطمینان اور نہ ختم ہونے والے آرام و آسائش سے بھرپور زندگی ہماری منتظر ہے۔

فهل من مدكر؟

قربانی کی حکمت واہمیت

ازقلم .... ازجنید احمد قاسمی

استاذ حدیث وفقہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر بہار

قربانی کی تعریف:

قربانی کیا ہے؟ قربانی عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے، جس کے ذریعہ خدائے بزرگ کی رضاوخوشنودی حاصل کی جاتی ہے۔قربانی کے ذریعہ ایثار،تقوی وطہارت کی خوبی، سماجی رعب ودبدبہ، اورملی وقومی طاقت وقوت حاصل کی جاتی ہے ۔قربانی شیطانی وساوس کو مات دینے کا، دشمنوں کومرعوب اورخوف زدہ کرنے کا،قوم میں جذبۂ خیروخوداعتمادی پیدا کرنے کا بڑاوسیلہ ہے۔

استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنا:

استطاعت کے باوجود جوشخص قربانی نہ کرے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا آدمی ہماری عیدگاہ نہ آئے۔

عَنۡ اَبِیۡ هُریرہ قال قال رسول اللہﷺ مَنۡ کَان لَہُ سَعَۃ فَلَمۡ یضح فَلا یقربن مصلانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو استطاعت کے باوجودقربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ نہ آئے“(سنن ابن ماجہ رقم: 3123 قال العینی وأخرجہ الحاکم وقال صحیح الاسناد)

قربانی کی تاریخ:

قربانی کی تاریخی ابتداءدنیا میں تشریف لانے والے پہلے انسان سے ہوئی ہے۔ ہابیل و

قابیل کے واقعے کو یاد کیجیے قرآن پاک کی سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کے اس عظیم واقعے کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اس لئے؛ تاکہ قربانی کرنے والوں کو اس بات کا استحضار رہے کہ قربانی صرف اور صرف متقی و پرہیزگار کی قبول ہوتی ہے۔ اور اس لیے بھی؛ تاکہ ہابیل وقابیل کے درمیان رونما ہونے والا یہ ناخوش گوار واقعہ پھر پیش نہ آئے۔۔ واقعہ ملاحظہ فرمایئے!

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (المائدہ:۲۷)

اور ذرا انہیں آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم وکاست سنادو جب اُن دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔ قابیل نے کہا" میں تجھے مار ڈالوں گا" اس نے جواب دیا" اللہ تو متقیوں ہی کی قربانیاں قبول کرتا ہے۔

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ (المائدہ:۲۸)

اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۔(المائدہ:۲۹)

میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ (المائدہ:۳۰)

آخرکاراس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کردیا اور وہ اسے مار کر اُن لوگوں میں شامل ہوگیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ (المائدہ:۳۱)

پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تا کہ اُسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے یہ دیکھ کر وہ بولا افسوس مجھ پر! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا اس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بہ روایت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ صدقہ کر کے قربانی پیش کی۔ حسب دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی ہابیل کے مینڈھے کو کھا گئی اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان پہلے انبیائے کرامؑ کے زمانے میں یہ تھی کہ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ قبول فرماتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اس چیز کو جلا دیتی تھی۔ سورۃ آل عمران میں اس کا ذکر آیا ہے کہ قربانی جس کو آگ کھا جائے۔ اس زمانے میں کفار سے جہاد کے ذریعے جو مال غنیمت ہاتھ آتا تو اس کو بھی آسمان سے آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ امت محمدیؐ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہوا کہ قربانی کا گوشت اور مال غنیمت ان کے لیے حلال کر دیے گئے۔

قربانی صرف اللہ کے لیے:

قربانی ایک عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے۔زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر وہ بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے۔اسی طرح آج تک دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے جو بتوں کے نام پر یا مسیح کے نام پر کی جاتی ہے۔سورۃ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہوسکتی اسی طرح قربانی بھی اسی کے نام پر ہونی چاہیے۔

ہر جگہ کے صاحب نصاب مسلمانوں پر قربانی واجب ہے:

رسول اکرمؐ نے ہجرت کے بعد دس سال تک مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا اور ہر سال پابندی سے قربانی فرماتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ کے لیے مخصوص نہیں بل کہ ہر شخص پر، ہر شہر میں شرائط کے بعد واجب ہے اور مسلمانوں کو اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔اس لیے جمہور علمائے اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔
درحقیقت قربانی تو جان کی قربانی ہی تھی، جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔

جانور کی قربانی جانی اور مالی دونوں طرح کی قربانیوں کی علامت ہے:

اصل قربانی تو جاں نثاری اور جاں سپاری کی قربانی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے یہ قربانی جان سے ٹال کر مال کی طرف منتقل کردی۔پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ مالی قربانی صدقے کی صورت میں مقرر کردی جاتی، لیکن اس طرح انسان کو اپنی جانی قربانی کی طرف توجہ اور اس کا استحضار نہ ہوتا۔اس غرض کے لیے ایسی مالی قربانی مقرر کی گئی جس میں جانور قربان کیا جائے، تاکہ مالی قربانی میں بھی جانی قربانی کی مشابہت موجود ہو، اور معمولی احساس رکھنے والا انسان بھی بوقتِ

قربانی یہ سوچے کہ اس بے زبان جان دار کو میں کس لیے قربان کر رہا ہوں؟ اس کا خون کیوں بہا رہا ہوں؟ جب یہ احساس اس کے اندر پیدا ہوگا تو اسے استحضار ہوگا کہ درحقیقت یہ میرے نفس اور میری جان کی قربانی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے میرے مال کی صورت میں قبول کرلیا، یوں اسے مقصدِ اصلی بھی یاد رہے گا اور نفس کی قربانی کے لیے یہ محرک بھی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے شکرگزاری کا جذبہ بھی بڑھے گا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ مقاصد صرف صدقہ کرنے اور غریب کی مدد کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتے۔

قربانی کے ایام میں قربانی ہی سب سے محبوب عمل ہے:

غریب ومحتاج کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے زکاۃ اور صدقہ فطر کی عبادات مقرر کی ہیں، نیز اس کے لیے نفلی صدقات کا دروازہ بھی ہر وقت کھلا ہے۔ لہٰذا جس شخص پر قربانی واجب ہو اس کے لیے ایامِ عید الاضحیٰ میں قربانی ہی کی عبادت متعین ہے۔

قربانی کا معاشی فائدہ:

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قربانی دینے میں غریبوں کا فائدہ بھی ہے۔ ہمارے ہاں بے شمار غریب لوگ ایسے ہیں جنہیں سال بھر گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ قربانی کے اس عمل سے سال میں ایک بار انہیں بھی یہ نعمت میسر ہوتی ہے۔ بہت سے غریب لوگ سال بھر جانور اسی ارادے سے پالتے ہیں کہ عید پر انہیں بھی کچھ رقم حاصل ہوجائے گی۔ قربانی کی وجہ سے جانوروں کی افزائشِ نسل کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کے چارے اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے سے بھی بہت سے لوگوں کا روزگار وابستہ ہے۔ قربانی کے جانوروں کی کھالوں کے بہت سے مصارف ہیں۔ اس وجہ سے چمڑے کے کاروبار کو خوب ترقی ملتی ہے۔ قربانی کی کھالیں فلاحی اداروں، مدارس اور دیگر نیک

مقاصد کے لیے دی جاتی ہیں جن سے حاصل ہونے والی رقوم بھی غریبوں کے کام آتی ہیں۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دسویں ذی الحجہ کو اللہ رب العالمین کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل جانوروں کا خون بہانا یعنی قربانی ہے۔ایک سچے مسلمان کے پیشِ نظر فقط رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اور وہ مالک کے حکم کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی اور جس نے پوری مخلوق کو رزق دینے کا ذمہ لے رکھا ہے اس کی رضا جانوروں کی قربانی میں ہے تو ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ حکمِ خداوندی کے سامنے اپنی تاویلات اور توجیہات پیش کر کے غریبوں کا ہمدرد، معاون اور غم گسار بنتا پھرے۔

عیدِ قرباں کا پیغام

عیدِ قرباں پہ تجھے ہے یہی پیغامِ خلیل
اور اسی بات کی تعلیم بھی دے دینِ حنیف

ترے ہر عضو سے پھوٹا کرے ایماں کی بہار
گو زمانے نے اٹھا رکھی ہے یاں فصلِ خریف

ٹوٹ جائیں گے یہ بت عزمِ براہیمی سے
ہم نے مانا کہ ترا سارا زمانہ ہے حریف

تندرست اور توانا ترا اخلاص تو ہے
چاہے قربانی کا بکرا ہی میسر ہو نحیف

غنچۂ ایماں کا کھلنا ہے یقینی ثانی
چمنِ دہر میں ہو فصلِ زمستاں یا مصیف

تازہ دم ایسے ہی باقی رہی اسلام کی لو
پینترا بدلا کیے گرچہ یہ ابناء ثقیف

مرضیِ رب کے حضور خود کو حوالے کر دو
تیری قربانی میں مضمر یہی نکتہ ہے لطیف

ان کا بس ہو تو زمانے کو نگل ہی جائیں
گرچہ ظاہر میں بچارے بنے پھرتے ہیں شریف

گر سمجھ سکتا ہے تو صرف خداداد دماغ
عشق کے سامنے ٹک سکتی نہیں عقلِ خفیف

ثانیؔ اررياوی

قربانی: فضائل ومسائل

ازقلم .... محمد طالب اللہ قاسمی/ استاذ جامعہ

تمام فقہاء وعلماء کرام قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کے اسلامی شعار ہونے اور ہر سال قربانی کا خاص اہتمام کرنے پر متفق ہیں، البتہ قربانی کو واجب یا سنت موکدہ کا Title دینے میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر صاحب حیثیت پر اس کے وجوب کا فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ بھی قربانی کے وجوب کے قائل ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک قول بھی قربانی کے وجوب کا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی قربانی کے واجب ہونے کے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ البتہ فقہاء وعلماء کی دوسری جماعت نے بعض دلائل کی روشنی میں قربانی کے سنت موکدہ ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، لیکن عملی اعتبار سے امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی کا اہتمام کرنا چاہئے اور وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنا غلط ہے خواہ اس کو جو بھی Title دیا جائے۔ ”جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل“ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا موقف تحریر ہے کہ اگر کسی شہر کے سارے لوگ قربانی ترک کردیں تو ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ قربانی اسلامی شعار ہے۔۔۔۔ صحابہ وتابعین عظام سے استفادہ کرنے والے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کی قربانی کے وجوب کی رائے احتیاط پر مبنی ہے۔

قربانی کے وجوب کے دلائل:

قرآن وسنت میں قربانی کے واجب ہونے کے متعدد دلائل ہیں، یہاں اختصار کی وجہ سے چند دلائل ذکر کئے جارہے ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۂ الکوثر ۲) نماز پڑھئے اپنے رب کے لئے اور قربانی کیجئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کرنے کا حکم (امر) دیا ہے، عربی زبان میں امر کا صیغہ عموماً وجوب کے لئے ہوا کرتا ہے۔ وَانْحَرْ کے متعدد مفہوم مراد لئے گئے ہیں مگر سب سے زیادہ راجح قول قربانی کرنے کا ہی ہے۔ اردو زبان میں تحریر کردہ تراجم وتفاسیر میں قربانی کے ہی معنی تحریر کئے گئے ہیں۔ جس طرح فَصَلِّ لِرَبِّكَ سے نماز عید کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح وَانْحَرْ سے قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (اعلاء السنن)

۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۲/۳۲۱، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبة هی ام لا؟ حاکم ۲/۳۸۹) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر سخت وعید کا اعلان کیا ہے اور اس طرح کی وعید عموماً ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔

۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ شَاةً مَكَانَهَا، وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ حَتَّى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اِسْمِ اللهِ جس شخص نے نماز عید سے قبل قربانی کر لی تو اسے اس کی جگہ دوسری قربانی کرنی ہوگی۔ قربانی نماز عید الاضحیٰ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کرنی چاہئے۔ (بخاری۔ کتاب الاضاحی۔ باب من ذبح قبل الصلاة اعاد، مسلم۔ کتاب الاضاحی۔ باب وقتها) اگر قربانی واجب نہیں ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی کرنے کی صورت میں دوسری قربانی کرنے کا حکم نہیں دیتے، باوجودیکہ اُس زمانہ میں عام

حضرات کے پاس مال کی فراوانی نہیں تھی۔

۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر فرمایا: يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ عَلَى اَهْلِ كُلِّ بَيْتٍ اُضْحِيَةٌ فِيْ كُلِّ عَامٍ اے لوگو! ہر سال ہر گھر والے پر قربانی کرنا ضروری ہے۔ (مسند احمد ۴/۲۱۵، ابوداؤد۔ باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، ترمذی۔ باب الاضاحی واجبة ھی ام لا)

۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اس عرصہ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔ (ترمذی ۱/ ۱۸۲) مدینہ منورہ کے قیام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک سال بھی قربانی نہ کرنے کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ملتا، اس کے برخلاف احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سال قربانی کی، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں وارد ہے۔

۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (محلیٰ بالآثار ج ۶ ص ۳۷، کتاب الاضاحی) معلوم ہوا کہ مقیم پر قربانی واجب ہے۔

قرآنِ کریم میں قربانی کا ذکر:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۂ الکوثر ۲) نماز پڑھیے اپنے رب کے لئے اور قربانی کیجیے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (سورۂ الحج ۳۴) قربانی کا حکم جو اس امت کے لوگوں کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں، پہلی امتوں کے بھی ذمہ قربانی کی عبادت لگائی گئی تھی۔ ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تا کہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ نسک کے مختلف معنی ہیں،

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس سے مراد قربانی لی ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ (سورہ الحج ۶۲) ہم نے ہر امت کے لئے ذبح کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورہ الانعام ۱۶۲)

آپ فرما دیجئے کہ یقینا میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا و مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (سورہ الحج ۳۷)

اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ اُن کے خون بلکہ اسے تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

وضاحت: قربانی میں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا ہے بلکہ جتنے اخلاص اور اللہ سے محبت کے ساتھ قربانی کی جائے گی اتنا ہی اجر و ثواب اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے گا اور یہ اصول صرف قربانی کے لئے نہیں بلکہ نماز، روزہ، زکاۃ، حج یعنی ہر عمل کے لئے ہے لہذا ہمیں ریا، شہرت، دکھاوے سے بچ کر خلوص کے ساتھ اللہ کی رضا کیلئے اعمال صالحہ کرنے چاہئیں۔

وضاحت: ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر زمانے اور ہر امت میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی مشروع رہی ہے، اور یہ ایک اہم عبادت ہے اس کی مشروعیت، تاکید، اہمیت اور اس کے اسلامی شعار ہونے پر عصر حاضر کے بھی تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔

قربانی کرنے کی فضیلت:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا۔ (اور یہ چیزیں اجروثواب کا سبب بنیں گی)۔ نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی ۱/۱۸۰، ابن ماجہ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارے لئے اس میں کیا اجروثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی۔ (ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد۔ الترغیب والترھیب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۲/۳۲۱، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ حاکم ۲/۳۸۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور اس عرصہ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔ (ترمذی ۱/۱۸۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! جاؤ۔ اپنی قربانی پر حاضری دو، کیونکہ اس کے خون سے جونہی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ نیز وہ جانور (قیامت کے دن) اپنے خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا۔ اور پھر

اسے ستر گنا (بھاری کر کے) تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا یہ (فضیلت) آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: یہ فضیلت آل محمد کے لئے تو بطور خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی عام ہے۔(یعنی ہر مسلمان کو بھی قربانی کرنے کے بعد یہ فضیلت حاصل ہوگی)(الترغیب والترہیب)

وضاحت: قربانی کے فضائل میں متعدد احادیث کتب احادیث میں مذکور ہیں،بعض احادیث کی سند میں ضعف بھی ہے مگر قربانی کا حکم قرآن کریم واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے،جس پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے،لہذا اصول حدیث کے مطابق فضائل قربانی میں احادیث ضعیفہ معتبر ہوں گی۔

ان مبارک ایام میں خون بہانے کی فضیلت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود نماز عید الاضحیٰ سے فراغت کے بعد قربانی فرماتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی کرنے کا ذکر حدیث کی ہر مشہور ومعروف کتاب میں ہے۔آپ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے گھر والوں اور امت مسلمہ کے ان احباب کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے جو قربانی نہیں کر سکتے تھے۔(بخاری ومسلم،ترمذی،ابن ماجہ،نسائی،ابوداؤد،مسند احمد وغیرہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر انہیں قربانی کے ایام میں ۱۰۰ اونٹوں کی قربانی دی، ان میں سے ۶۳ اونٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود نحر (ذبح) کئے اور باقی ۳۷ اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نحر (ذبح) کئے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن سینگوں والے، دھبے دار خصی دو مینڈھے ذبح کئے۔(ابوداؤد۔باب ما یستحب من الضحایا) غرضیکہ ان ایام میں خون بہانا ایک اہم عبادت ہے۔

قربانی نہ کرنے پر وعید:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۲/۳۲۱، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ حاکم ۲/۳۸۹) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قربانی کا وقت:

قربانی کا وقت نماز عیدالاضحیٰ سے شروع ہوتا ہے اور ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ نماز عیدالاضحیٰ سے قبل قربانی کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے دوسری قربانی کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں گزرا، اس سے قربانی کا ابتدائی وقت معلوم ہوا۔ قربانی کے آخری وقت کی تحدید میں فقہاء وعلماء کے درمیان زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (ایک روایت) نے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک تحریر کیا ہے جبکہ بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک وقت تحریر کیا ہے۔ پہلا قول احتیاط پر مبنی ہونے کے ساتھ دلائل کے اعتبار سے بھی قوی ہے کیونکہ کسی بھی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی نے ۱۳ ذی الحجہ کو قربانی کی ہو، البتہ بعض احادیث وآثار کے مفہوم سے دوسرے قول کی تائید ضروری ہوتی ہے مگر اُن احادیث وآثار کے دوسرے معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: کل فجاج مکہ منحر وکل ایام التشریق ذبح (طبرانی وبیہقی)۔ اولاً اس حدیث کی

سند میں ضعف ہے، احادیث ضعیفہ فضائل کے حق میں تو معتبر ہیں، لیکن ان سے حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ثانیاً بعض کتب حدیث میں یہ حدیث "وکل ایام التشریق ذبح" کے الفاظ کے بغیر مروی ہے۔

قربانی کا وقت ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، اس کے چند دلائل پیش ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائی سالوں میں صحابہ کرام کے اقتصادی حالات کے پیش نظر قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے منع فرمادیا تھا، بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی۔ اگر چوتھے دن قربانی کی جاسکتی ہے تو پھر تین دن سے زیادہ قربانی کا ذخیرہ کرنے سے منع کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (کتب حدیث میں یہ حدیثیں موجود ہیں)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایام معلومات، یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) اور اسکے بعد دو دن (۱۱ و ۱۲ ذی الحجہ) ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص۔ باب الایام المعلومات/تفسیر ابن ابی حاتم رازی ج ۶ ص ۲۶۱)

مشہور ومعروف تابعی حضرت قتادہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الذَّبحُ بَعْدَ النَّحرِ یَوْمَانِ۔ قربانی دسویں ذی الحجہ کے بعد صرف دو دن ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی۔ باب من قال الاضحیٰ یوم النحر) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن الجبیر رحمہ اللہ اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے اقوال بھی کتب حدیث میں مذکور ہیں جس میں وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔

وضاحت: امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز عید الاضحیٰ سے فراغت کے بعد فوری طور پر قربانی کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ کچھ کھائے بغیر نماز عید الاضحیٰ کے لئے جانا اور سب سے پہلے

قربانی کا گوشت کھانا عیدالاضحیٰ کی سنن میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔اس وجہ سے ہمیں پہلے ہی دن قربانی کرنی چاہئے ،اگر کسی وجہ سے پہلے دن قربانی نہ کرسکتے یا چند قربانیاں کرنی ہیں تو ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ضرور فارغ ہوجانا چاہئے کیونکہ جن بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ کوقربانی کی اجازت دی ہے انہوں نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ ۱۲ ذی الحجہ سے قبل ہی بلکہ ۱۰ ذی الحجہ کو ہی قربانی کرلینی چاہئے۔

قربانی کے جانور کی عمر:

بکرا، بکری، بھیڑ ایک سال کی ہو، بھیڑ اور دنبہ جو ہو تو چھ ماہ کا لیکن دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہو اور گائے ،بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا ہو ان سب جانوروں پر قربانی کرنا جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قربانی میں بکرا (بکری، مینڈھا، دنبہ) ایک شخص کی طرف سے ہے۔(اعلاء السنن۔ باب ان البدنہ عن سبعة)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے اور آپ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہوجائیں۔(مسلم۔باب جواز الاشتراک)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔(مسلم۔ باب جواز الاشتراک فی الهدی)

قربانی کے جانور کا عیوب سے پاک ہونا:

عیب دار جانور (جس کے ایک یا دو سینگ جڑ سے اکھڑ گئے ہوں، اندھا جانور، ایسا کانا

جانور جس کا کانا پن واضح ہو، اس قدر لنگڑا جو چل کر قربان گاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری بالکل ظاہر ہو، وغیرہ وغیرہ) کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

بھینس کی قربانی کا حکم:

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ گائے واونٹ کی طرح بھینس پر بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ گائے واونٹ کی طرح بھینس کی قربانی میں بھی سات حضرات شریک ہو سکتے ہیں۔

خود قربانی کرنا افضل ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قربانی خود کیا کرتے تھے، اس وجہ سے قربانی کرنے والے کا خود ذبح کرنا یا کم از کم قربانی میں ساتھ لگنا بہتر ہے، جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قربانی پر حاضر رہنے کو فرمایا۔

قربانی کا گوشت:

قربانی کے گوشت کو آپ خود بھی کھا سکتے ہیں، رشتہ داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں اور غرباء ومساکین کو بھی دے سکتے ہیں۔ علماء کرام نے بعض آثار کی وجہ سے تحریر کیا ہے کہ اگر گوشت کے تین حصے کر لئے جائیں تو بہتر ہے۔ ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا حصہ رشتہ داروں کے لئے اور تیسرا حصہ غرباء ومساکین کے لئے، لیکن اس طرح تین حصے کرنے ضروری نہیں ہیں۔

میت کی جانب سے قربانی:

جمہور علماء امت نے تحریر کیا ہے کہ میت کی جانب سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے قربانی کرنے کے علاوہ امت کے افراد کی طرف سے بھی قربانی کیا کرتے تھے، اس قربانی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ افراد کے لئے خاص نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حدیث

میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوقربانیاں کیں اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی تھی اور اسی لئے میں آپ ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

قربانی کرنے والے کے لئے مستحب عمل:

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے، اورتم میں سے جوقربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم) اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں' قربانی کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر بعض حضرات نے ایک نیا فتنہ شروع کردیا ہے کہ جانوروں کے خون بہانے کے بجائے صدقہ وخیرات کرکے لوگوں کی مدد کی جائے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام نے زکوۃ کے علاوہ صدقہ وخیرات کے ذریعہ غریبوں کی مدد کی بہت ترغیب دی ہے مگر قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامہ کی یادگار ہے جس میں انہوں نے اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے لئے لٹادیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بلا چوں وچرا حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرکے ذبح ہونے کے لئے اپنی گردن پیش کردی تھی۔ مگر اللہ تعالی نے اپنا فضل فرما کر جنت سے دنبہ بھیج دیا، اِس عظیم الشان کارنامہ پر عمل قربانی کرکے ہی ہوسکتا ہے محض صدقہ وخیرات سے اِس عمل کی یاد تازہ نہیں ہوسکتی۔ نیز ۱۴۰۰ سال قبل نبی اکرم ﷺ نے اس امر کو واضح کردیا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عید کے

دن قربانی کا جانور (خریدنے) کے لئے پیسے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں اور چیزوں میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ (طبرانی،دارقطنی)

قربانی کا مقصد محض غریبوں کی مدد کرنا نہیں ہے جو صدقہ وخیرات سے پورا ہوجائے بلکہ قربانی میں مقصود جانور کا خون بہانا ہے، یہ عبادت اسی خاص طریقہ سے ادا ہوگی، محض صدقہ وخیرات کرنے سے یہ عبادت ادا نہ ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں غربت دور حاضر کی نسبت بہت زیادہ تھی، اگر جانور ذبح کرنا مستقل عبادت نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جانور ذبح کرنے کے بجائے غریبوں کی مدد کرتے مگر تاریخ میں ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

قربانی سے کیا سبق حاصل کریں؟

(۱) جانور کی قربانی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عظیم الشان عمل کو یاد کریں کہ دونوں اللہ کے حکم پر سب سے محبوب چیز کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوگئے، لہذا ہم بھی احکام الٰہی پر عمل کرنے کے لئے اپنی جان و مال و وقت کی قربانی دیں۔

(۲) قربانی کی اصل روح یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی محبت میں اپنی تمام نفسانی خواہشات کو قربان کردے۔ لہذا ہمیں من چاہی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزارنی چاہئے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں صرف یہی ایک عظیم واقعہ نہیں بلکہ انہوں نے پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں گزاری، جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملا فوراً اس پر عمل کیا۔ جان، مال، ماں باپ، وطن اور لخت جگر غرض سب کچھ اللہ کی رضا میں قربان کردیا، ہمیں بھی اپنے اندر یہی جذبہ پیدا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم بھی سامنے آئے اس پر ہم خوش وخرم عمل کریں۔

قربانی کا سماجی پہلو

از قلم...مولانا ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قربانی کا زمانہ آتے ہی اسلام اور مسلمانوں کے بہت سے ہمدرد اور بہی خواہ نکل آتے ہیں۔ وہ بغیر مانگے ایسے مشورے دینے لگتے ہیں جن سے بہ ظاہر انسانی غم خواری، ہمدردی اور محبت کا اظہار ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں ان کے مشورے اسلامی تعلیمات پر خط نسخ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ قربانی کی رسم پوری دنیا کے مسلمان انجام دیتے ہیں۔ حج پر جانے والے بہت بڑی تعداد میں جانور قربان کرتے ہیں، افراتفری میں ان کا گوشت صحیح مصرف میں استعمال نہیں ہو پاتا اور ضائع ہوجاتا ہے۔ جو لوگ حج پر نہیں جاتے وہ بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرتے ہیں۔ اس طرح کروڑوں مسلمانوں کا اربوں کھربوں روپیہ ضائع ہوجاتا ہے۔ اگر اس خطیر رقم کی منصوبہ بندی کرکے اسے رفاہی کاموں میں لگادیا جائے، بہت سی ڈسپنسریاں اور اسپتال کھول دیے جائیں، مکاتب و مدارس، اسکول، کالج اور یونی ورسٹیاں قائم کردی جائیں اور اسے ایسے کاموں میں صرف کیا جائے جن سے غریب مسلمان فائدہ اٹھاسکیں تو یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

یہ باتیں ایسے معصومانہ انداز میں کہی جاتی ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے، خدمت خلق کے تمام کام صرف قربانی کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔ قربانی کا عمل ترک کرتے ہی یہ سارے کام ہونے لگیں گے اور غریب مسلمانوں کی تمام مشکلات اور پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔ حالاں کہ سوچنے کا یہ انداز درست نہیں ہے۔ اگر مال دار مسلمانوں میں خدمتِ خلق اور انفاق کا جذبہ پیدا کیا جائے تو

قربانی پر عمل کے ساتھ رفاہی اور سماجی خدمات بھی انجام دی جاتی رہیں گی اور مال دار مسلمان صرف غریب مسلمانوں، بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والے غریب انسانوں کی بھی ضروریات پوری کرنے کی طرف توجہ کریں گے۔

قربانی ایک خالص دینی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور اسے اطاعت الٰہی کا ایک نشان (Symbol) قرار دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے خود قربانی کی ہے اور مسلمانوں کو بھی اس کی ترغیب دی ہے، چنانچہ مسلمان اسے واجب سمجھتے ہیں اور ہر صاحبِ حیثیت اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قربانی کی دینی حیثیت کے ساتھ اس کا سماجی پہلو بھی ہے۔ اس سے نہ صرف قربانی کرنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہے، بلکہ دیگر بے شمار انسان بھی اس سے فیض اٹھاتے ہیں۔ آئندہ سطور میں اس پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ‘‘ (الحج: ۲۸، ۳۶) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں جب صحابۂ کرام تنگی اور فقر کا شکار تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے تین دن سے زیادہ گوشت استعمال کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ اس حکم کا منشا یہ تھا کہ قربانی کرنے والے اس کا گوشت اپنے پاس ذخیرہ کرکے نہ رکھ لیں، بلکہ اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کریں۔ بعد میں جب تنگی دور ہوگئی اور صحابہ مال دار ہوگئے تو یہ پابندی ختم کردی گئی اور آپؐ نے عام اجازت دے دی۔ فرمایا: ’’قربانی کا گوشت جب تک چاہو کھاؤ، جتنا چاہو ذخیرہ کرو اور دوسروں کو بھی کھلاؤ‘‘۔ (بخاری: ۵۵۶۹، مسلم: ۱۹۷۴)

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے: ایک

حصہ گھر والوں کے لیے رکھتے تھے، دوسرا حصہ پڑوس کے ضرورت مندوں کو بھجواتے تھے اور تیسرا حصہ مسکینوں اور مانگنے والوں کو دیتے تھے۔ حج کے موقع پر آپؐ نے سو (۱۰۰) اونٹوں کی قربانی کی۔ اپنے کھانے کے لیے چند بوٹیاں نکال کر باقی سارا گوشت تقسیم کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ قربانی کے گوشت کا ایک حصہ وہ اپنے لیے رکھ لیتے تھے، دوسرا حصہ فقراء و مساکین میں صدقہ کر دیتے تھے اور تیسرا حصہ رشتے داروں اور اہل تعلق کو بھیجتے تھے۔ دنیا میں کروڑوں انسان خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ انھیں مہینوں اچھی قوت بخش غذا نہیں مل پاتی۔ قربانی کے نتیجے میں انھیں کچھ اوقات کے لیے گوشت کھانے کو مل جاتا ہے۔

قربانی چھوٹے جانوروں (بکرا، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کی بھی کی جاتی ہے اور بڑے جانوروں (اونٹ، بھینس وغیرہ) کی بھی۔ چھوٹے جانوروں کی قربانی صرف ایک فرد (مرد یا عورت) کی طرف سے ہوتی ہے اور بڑے جانور میں سات حصے ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگ چھوٹے اور بڑے دونوں طرح کے جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ لیکن یہ رویہ بالکل نامناسب ہے کہ چھوٹے جانور کا پورا گوشت اپنے لیے رکھ لیا جائے اور بڑے جانور کا گوشت غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ قربانی گوشت کھانے کا تہوار نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے انجام دیا جانے والا ایک عمل ہے، اس لیے چھوٹے جانوروں کے گوشت کا کچھ حصہ بھی لازماً غریبوں میں تقسیم کرنا چاہیے۔

قربانی کرنے والا جانور کی کھال اپنے استعمال میں لا سکتا ہے اور کسی غریب کو بھی دے سکتا ہے، لیکن اسے بیچ کر اس کی رقم اپنے کام میں لانا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ اسے فقراء و مساکین میں صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اس طرح بڑی تعداد میں قربانی کی کھالیں یا ان کی رقمیں غریبوں کو مل

جاتی ہیں اور وہ ان کے ذریعہ اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔

ہر سال ہزاروں قصاب قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے اور اس کی اجرت پاتے ہیں۔ اجرت میں قربانی کا گوشت یا اس کی کھال دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اجرت کے علاوہ بہ طور صدقہ انھیں گوشت دیا جاسکتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپؐ کے جانوروں کی قربانی کے وقت ان کی نگرانی کروں، ان کی کھالوں اور جھول کو صدقہ کردوں اور قصاب کو ان میں سے کوئی چیز بہ طور اجرت نہ دوں''۔ (بخاری ومسلم)

قربانی سے ان لاکھوں گلہ بانوں کا فائدہ ہوتا ہے جو سال بھر جانوروں کو پالتے ہیں اور عید الاضحیٰ کے موقع پر انھیں اچھے داموں میں فروخت کرتے ہیں۔ سال کے عام دنوں میں جانوروں کی جو قیمتیں ہوتی ہیں، عید الاضحیٰ کے دنوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس طرح ایک مخصوص زمانے میں جانوروں کو فروخت کرنے سے گلہ بانوں کا فائدہ ہوتا ہے۔

قربانی ایک مخصوص دینی عمل ہے۔ اسے ریاکاری سے پاک رہنا چاہیے۔ ہر سال قربانی کے زمانے میں ایسی خبریں اخباروں کی زینت بنتی ہیں کہ فلاں صاحب نے ایک بکرا دو لاکھ روپے میں خریدا۔ فلاں صاحب نے تین لاکھ روپے کی بولی لگائی۔ ابھی چند ایام قبل قربانی کے ایک جانور کی قیمت ایک کروڑ روپے سے زائد لگائی گئی تھی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ اس کے پاس قربانی کے جانور کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، بلکہ صرف تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اور اخلاص کے ساتھ انجام دیا جانے والا عمل ہی پہنچتا ہے۔ (الحج: ۳۷)

خلاصہ یہ کہ قربانی کے بغیر ہی سماجی اور رفاہی اعمال انجام نہیں دیے جاسکتے، بلکہ ان کی انجام دہی قربانی کے ساتھ بھی ممکن ہے۔ کسی ایک کو نہ دوسرے پر قربان کیا جاسکتا ہے نہ کسی کو دوسرے پر ترجیح دی جاسکتی ہے۔

سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی؟

ازقلم...امجد حسین بن راشد حسین (متعلم دارالعلوم دیوبند)

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دو عیدیں دی ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ جسے ہم بقرعید بھی کہتے ہیں اور اس میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ قربانی کیا ہے؟ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہوگا کہ دس ذی الحجہ کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مسلمان جانور ذبح کرتے ہیں، اسی کو قربانی کہتے ہیں۔

لیکن ذرا فکر و نظر سے کام لیں، سوچ و بچار کریں اور اپنے اردگرد کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی ہر شے قربانی دیتی ہے، رات قربانی دیتی ہے، صبح نمودار ہوتی ہے، صبح قربانی دیتی ہے، رات آتی ہے، والدین اولاد کے لیے قربانی دیتے ہیں، اولاد والدین کے لئے جان نچھاور کرتی ہے، زمین اپنے اوپر بنے مسکن اور اس کے باشندوں کے لئے قربان ہوتی ہے اور بوجھ برداشت کرتی ہے، آسمان اپنے نیچے پناہ گزینوں کے لیے قربانی پیش کرتا ہے۔ گویا! دنیا کی تمام چیزیں قربانی سے عبارت ہیں اور ذرہ ذرہ قربانی سے مرکب ہے۔

آگے بڑھیے اور پتہ کیجئے کہ قربانی کا وجود کیسے ہوا؟ اور کیونکر ہوا؟ تو اس کا آسان سا جواب عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہے کہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، جس پر امت محمدیہ بھی عمل کرتی چلی آرہی ہے، لیکن آپ یہ بتائیے! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ مقام اتنی آسانی سے حاصل ہوگیا؟ نہیں ہرگز نہیں، اس کے لیے کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں، کتنی ہی آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور کتنے ہی مواقع پر آپ کا امتحان لیا گیا، پیارے بیٹے اسماعیل کی قربانی کا حکم نازل ہوا، آپؑ اس کے لیے تیار ہوگئے۔

ذرا تصور کیجئے! یہ سخت ترین آزمائش حضرت ابراہیمؑ کے لئے تھی، یہ کوئی معمولی امتحان نہ تھا، سخت ترین آزمائش تھی، لیکن قربان جایئے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو بڑھاپے اور پیرانہ سالی کی تمناؤں کا مرکز، راتوں اور دنوں کی دعاؤں کا ثمرہ، قلب ونظر کا چراغ اور اپنے نور نظر کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ یقیناً چشم فلک نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا ہوگا!!!

شیطان نے بھٹکانا چاہا، لیکن آپؑ عزم کر چکے تھے اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی، پیارے اسماعیلؑ کو لٹایا گیا، چھری تیز کی گئی، آنکھ پر پٹی باندھ دی گئی تاکہ پدری شفقت چھلک نہ پڑے، چھری پھیر دی گئی، لیکن وہ تو اپنے رب حقیقی کے حکم پر چل رہی تھی روگردانی کیسے کرتی، اس نے اپنا کام نہیں کیا، پیارے اسماعیل کو لگا کہ والد کے سامنے میری محبت آڑے آرہی ہے، درخواست کی کہ ابا اوندھے منہ لٹائیں اور چھری پھیر دیں ؎

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

اب چھری چل تو گئی لیکن اسماعیل کے گلے پر نہیں بلکہ آسمان سے بھیجے ہوئے مینڈھے پر۔ اللہ کو آزمانا تھا آزمالیا اور ابراہیم اس آزمائش میں کامیاب ہوئے یہ واقعہ مکمل تفصیل کے ساتھ اللہ نے سورہ صافات میں بیان کیا ہے، اللہ کو حضرت ابراہیمؑ کا یہ عمل اس قدر پسند آیا کہ اس کو امت محمدیہ کے لئے بھی واجب قرار دیا۔ ارشاد الٰہی ہے: **فصل لربك وانحر** تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو (پارہ ۳۰ سورہ کوثر)

مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت پر پابندی سے عمل کرتے چلے آرہے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کرنے کی تاکید بھی کی ہے ارشاد ہے: یوم النحر (قربانی کے دن) میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں۔ (ترمذی جلد اول صفحہ: ۲۷۵)

قربانی ضرور کریں لیکن اس بات کا دھیان رکھیں کہ آپ کے کسی عمل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، کسی کا دل نہ دکھے اور آپ کا کوئی فعل کسی کی اذیت کا سبب نہ بنے۔

آیئے! اس مبارک موقع پر ہم عہد کریں کہ ہم بھی اپنے دین کے لیے قربانی پیش کریں گے، دوسروں کے دکھ درد میں ان کا سہارا بنیں گے اور خود کو اس پر قربان کریں گے، ہر حال میں اللہ کے حکم کی اطاعت لازم پکڑیں گے اور جب کسی گھڑی اللہ کی طرف سے ہمیں آزمایا جائے گا انشاء اللہ واویلا نا کر کے اس میں کامیابی حاصل کریں گے۔

روشنی

یہ تو ممکن ہے کہ ہر چال یہ چل سکتی ہے — روشنی کو بھلا تاریکی نگل سکتی ہے؟

ہو سکے تو مرے دشمن کا مددگار نہ بن — ورنہ اے دوست قبا تیری بھی جل سکتی ہے

مجھ سے مت پوچھ سرِ بزم تباہی کا سبب — تری پگڑی سرِ بازار اچھل سکتی ہے

پل دو پل کے لیے محفوظ تو ہو جاؤ گے — بزدلی جان لیے بن نہیں ٹل سکتی ہے

صف بہ صف آؤ کھڑے ہو لیں مظالم کے خلاف — ایک دن یہ شبِ تاریک بدل سکتی ہے

ثانیؔ ارریاوی

قرآن اور سائنس

ازقلم...عمر فاروق اعظمی ندوی

وہ علم کس کام کا جو خدا کی معرفت حاصل نہ کرا سکے؟۔ سائنس ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے خدائے ذوالجلال کی قدرت، اس کی صناعی کا باریکی سے ادراک کرکے اس کی معرفت اور اچھے طریقے سے حاصل ہوسکتی ہے اگر انسان تھوڑا سا غور وفکر سے کام لے۔ تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پہ جو کہتے ہیں کہ نظام کائنات اپنے آپ خود بخود چل رہا ہے، کوئی چلانے والا نہیں ہے، کیونکہ بقول انہی کے یہ عالم ایک زبردست دھاکے سے وجود میں آیا ہے جو دھا کہ خود بخود پیش آیا تھا، افسوس ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے ان کی عقلوں پر کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز پر اپنی عقل کھپاتے ہیں مگر اتنے بڑے نظام پر کبھی غور نہیں کرتے کہ کوئی بھی چیز خود بخود کیسے ہوتی ہے۔

کیا وہ لوگ اپنے اردگرد کی چیزوں کو نہیں دیکھتے ؟ کیا جو موبائل، لیپ ٹاپ ہم استعمال کرتے ہیں اپنے آپ چلتا ہے، یہاں تک کہ ریموٹ سے جو اشیاء کنٹرول ہوتی ہیں وہ بھی مشین کی محتاج ہوتی ہیں، کیا جو کھانا ہم کھاتے ہیں خود بخود پک جاتا ہے؟ خود بخود ہمارے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے، جو لباس ہم پہنتے ہیں خود بخود تیار ہوکر ہمارے گھر اور ہمارے بدن پر سج جاتا ہے، دنیا کی ہر بنائی گئی چیز کو کنٹرول کیا جاتا ہے یہ ہم مانتے ہیں اور ہماری عقل اس کی تصدیق کرتی ہے مگر خدا کے معاملے میں عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ خدا نظر نہیں آتا تو کیسے مانیں، میں کہتا ہوں پھر ایتھنز کو کیسے مان لیتے ہو فضا میں پھیلی وہ لہر جس پر پورے سیٹلائٹ سسٹم کا دارومدار ہوتا ہے۔ اس پر تو تمہارا ایمان واعتقاد ہوتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔ سورہ فصلت (53) أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ {17} وَإِلَى السَّمَاء كَيْفَ رُفِعَتْ {18} وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ {19} وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ {20} فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ {21} لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ {22}) (الغاشية).

سائنس کا علم کوئی ایسا انوکھا علم نہیں ہے کہ انسان اس پر خدا کے مقابلے میں فخر کرے یا برتری کا اظہار کرے چہ جائیکہ خدا کا انکار ہی کر بیٹھے، یہ علم بھی دیگر نعمتوں کی طرح خداوند قدوس کی طرف سے بندوں کو عطا کیا گیا ہے، کیا اس احکم الحاکمین نہیں کہا کہ پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، یہ بالکل عام حکم ہے، اب اگر کوئی اسے خاص کرلے تو ہم اسے بے وقوفی تصور کریں گے، چنانچہ اپنی ذات کو پڑھو اور اس کے سسٹم پر غور کرو، دوسری مخلوقات کو پڑھو، اللہ نے خود دعوت دی کہ آؤ دیکھو غور کرو اونٹ کی تخلیق پر، آسماں پہ غور کرو کہ کتنی کہکشائیں اس میں گھوم رہی ہیں، پہاڑوں کی مضبوطی پہ غور کرو، زمین کی بساط پہ غور کرو، اس کائنات کی نیرنگیوں کو دیکھو کہ ان سب کا خالق کتنی قدرت والا ہے۔

مروجہ سائنس کا علم اٹھارویں صدی کے اخیر میں متعارف ہوا، جس کے انکشافات پر ہم گدگد ہیں، مثلاً آج سائنس کہہ رہی ہے کہ یہ کائنات بے انتہا وسیع ہے اور دن بدن پھیل رہی ہے، اس میں لاتعداد کہکشائیں تیر رہی ہیں ابھی تک 100 فیصد میں سے محض 3 فیصد معلوم ہوسکا ہے باقی 97 فیصد تاریکی میں ہے اور اسی تین فیصد میں کچھ سیارے ہمارے علم میں ہیں جس پر ہم سائنس دانوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس خدا کا انکار کر بیٹھتے ہیں جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی قرآن کریم میں کہہ دیا تھا "والسماء بنیناها بأید وإنا لموسعون" (الذاریات:۴۷) آسمان

کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور ہم اسے پھیلا رہے ہیں۔

سائنس نے آج آسمان کی وسعت کا انکشاف کیا ہے اور میرے اللہ نے صدیوں پہلے خبر دے دی تھی اور کچھ بکلول دہریے کہہ رہے ہیں کہ ہم سائنس کے شکر گذار ہیں۔

بلاشبہ اللہ تبارک وتعالی نے ہر دور کے لئے قرآن کریم کو راہ ہدایت کے لئے ذریعہ بنایا ہے، یہ معجزہ ہے جو ہر دور میں ہوئے انکشافات پر منطبق ہوجاتا ہے بس ضرورت ہے غور وفکر کی، تدبر کی، جب کبھی سائنس دان کوئی انکشاف کرتا ہے جس پر اہل دنیا فخر کرتے ہیں تو پیچھے اللہ کی کتاب کھڑی مسکرا رہی ہوتی ہے، اللہ کی نشانیوں کو، اس کی تخلیق کو باریکی سے سمجھنے کیلئے سائنس کا علم بہت بڑا ذریعہ ہے، دونوں میں تعارض بالکل بھی نہیں ہے۔

مثلاً آج سائنس داں کہتے ہیں کہ زمین کے نیچے بھڑکتی ہوئی آگ ہے، مگر اس کا اثر زمین پہ نہیں پڑتا، چونکہ اس آگ اور اور سطح زمین کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جو اس بھڑکتی ہوئی آگ کے اثر میں رکاوٹ بن رہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ پردہ رفتہ رفتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے، جب وہ حائل شدہ پردہ ختم ہوجائے گا تو یہ زمین انگارہ بن جائے گی، سمندر کھولتے ہوئے لاوے کی شکل اختیار کر جائیں گے، اس حیرت انگیز انکشاف پر دنیا ششدر رہ گئی اور سائنس پر اعتماد مستحکم ہوگیا، میں کہہ رہا ہوں کہ یہ کوئی حیرت وتعجب کی بات نہیں ہے سائنس نے اس بات کو آج کہا ہے مگر میرے اللہ نے صدیوں پہلے ہمیں باخبر کیا تھا "وإذا البحار فجرت(الانفطار:۳)"وإذا البحار سجرت(التکویر:۶)" اور یاد کرو اس وقت کو جب سمندر کھولا دیئے جائیں گے۔

درحقیقت اسی آیت کو سامنے رکھ کر تحقیق کی گئی کہ آخر کیوں ایسی بات کہی گئی اور جب یہ بات سامنے آئی کہ واقعی زمین کے نیچے بھڑکتی ہوئی آگ ہے تو پھر قرآن پاک کی آیت کو پرے رکھ

کر اس بات کا دنیا والوں پر انکشاف کیا گیا۔

اور آج ملحد، دہریے، مذہب بیزار نادان دانش ور کہتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ موجودہ زمانے کے مطابق نہیں چل سکتے۔

ہاں تو بات یہ چل رہی تھی کہ سائنس کے علم اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ کائنات میں پھیلی ہوئی خدا کی جو قدرت ہے اس کے اسرار و رموز جاننے کا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے اللہ رب العزت کی طاقت و قوت، اس کی کبریائی کا اندازہ کیا جا سکے، انسانی دنیا کی آسائش و آرام کے لئے سائنس نے جو ایجادات کی ہیں بظاہر وہ اس کی مرہون منت ہیں مگر درحقیقت اس میں خالق کون و مکاں کی ہی کاری گری ہے۔

مثلاً پہلے لوگ بڑی صعوبتوں اور کٹھنائیوں سے سفر کرتے تھے پیدل جانوروں کے ذریعے جس میں جان کا خطرہ تھا اور وقت بھی بہت لگتا تھا، پھر ایک وقت آیا کہ سائیکل کی ایجاد ہوئی، رفتہ رفتہ موٹر سائیکل، کار، بس، ٹرین، ہوائی جہاز کی ایجاد ہوگئی جس کے ذریعے آسانی سے پر لطف سفر کیا جانے لگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس چیز کا علم قرآن میں کہاں ہے؟ کیا یہ سائنس کا احسان نہیں ہے کہ اس نے اس مشکل کا اتنا زبردست حل نکال دیا؟ جب یہ قرآن ہر زمانے کے لئے ہے اور ہر چیز کو واضح کرنے والا ہے تو پھر ان سب چیزوں کا ذکر کہاں ہے؟ یہ سوال ہے سائنس سے متاثر، خدا کے منکر، مذہب سے بے زار شخص کا۔

بلاشبہ قرآن ہر چیز کو نام کے ساتھ بیان نہیں کرتا ہے، بلکہ اصول بتاتا ہے اور اسی میں غور و تدبر کرنے والے کے لئے راستہ مل جاتا ہے، آپ ایک بات سمجھ لیں کہ قرآن ہر زمانے کے لوگوں کو

مخاطب کرتا ہے، اس کے اولین مخاطب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب، آپ کے دور کے لوگ تھے وہ سواری کیلئے گھوڑے، گدھے، خچر کا استعمال کرتے تھے اسی کی طرف اللہ نے اشارہ کیا "وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ" (النحل:۸) اللہ نے گھوڑے، خچر، گدھے پیدا کئے تاکہ تم اس پر سواری کرو اور زیب وزینت کے لئے، اور (سواری و زینت کیلئے) وہ چیزیں پیدا کرے گا جسے تم نہیں جانتے۔

اے ساتویں صدی عیسوی کے لوگو ہم نے (اللہ) تمہاری سواری کیلئے ذریعہ یہ گھوڑے گدھے خچر بنائے ہیں لیکن یاد رکھو کہ ہم اور بھی ذرائع پیدا کریں گے جن کو تم نہیں جانو گے تمہارے بعد تمہاری آنے والی نسلیں جانیں گی کہ ہم سواری کیلئے کار، موٹر سائیکل، ٹرین، طیارے پیدا کریں گے "ویخلق ما لا تعلمون" (النحل:۸)، اور یہی خطاب آج ہم سے بھی ہے اکیسویں صدی کے لوگوں سے کہ تمہاری سواری کیلئے یہ سب ذرائع ہم نے بنائے ہیں، آگے اور بھی ذرائع پیدا کریں گے جن کو تمہارے بعد آنے والی نسلیں جانیں گی۔

بلاشبہ یہ قرآن کریم "تبیان لکل شیئ"" (النحل:۸۹) ہے۔ اور اللہ سب سے زیادہ طاقتور اور جاننے والا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو صرف جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے کی کتاب سمجھ لیا ہے، اور معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اہل علم نے اسے عقائد و مسائل کی دلیل تک محدود کر دیا ہے، ہم نے جدید تقاضوں پر کبھی اسے منطبق کرنے کی کوشش ہی نہیں کی، تفسیر کے درس کو وعدو عید، قصہ بیانی تک سمیٹ کر رکھ دیا ورنہ غیروں نے جدید تقاضوں کے تئیں اس سے بہت کچھ حاصل کیا ہے، مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے عرصہ ہوا کہیں پڑھا تھا نام یاد نہیں آ رہا ہے کسی اہل علم کا ایک انگریز دوست تھا، اس

سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگا کہ چلو آج تمہیں کچھ دکھاتے ہیں، چنانچہ وہ انہیں لے کر چلا اور پھر سنسان جگہ شاید پہاڑی علاقہ یا جنگلات کا علاقہ تھا اور پھر وہاں گہرائی کی طرف جانے لگے تو کچھ دیر بعد زیر زمین ایک الگ دنیا میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے دیکھا کہ بے شمار جوان قرآن اور احادیث پڑھنے لکھنے میں مصروف ہیں، ایک ایک آیت پر ایک ایک لفظ پر تحقیق ہو رہی ہے اور یہ سب یہود و نصاریٰ کے بچے تھے۔

اب میں آپ کو دونوں میں واضح فرق بتاتا ہوں، ہم نے سورہ فیل پڑھا اور سمجھا اور خدائے ذوالجلال کی طاقت کا یقین پیدا ہوا اور دشمنان خدا کے پھسپھسے پن کا اندازہ ہوا، ہم نے یہ سمجھا کہ اللہ جب اپنی قدرت کا مظاہرہ کرنا چاہے تو چھوٹی سے چھوٹی چیز سے بھاری بھر کم کام لے لیتا ہے۔

اور غیروں نے سورہ فیل پر غور کیا اور ابابیلوں کی چونچ میں دبے کنکروں کے پھینکنے پر غور کیا اور سوچتے سوچتے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابابیلوں نے فضا سے کنکر بھاری بھر کم ہاتھیوں پر پھینکے تو نتیجہ کیا ہوا مطلب فضائی طاقت زمینی طاقت کے مقابلے میں زیادہ موثر ہوتی ہے، چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ امریکا روس اسرائیل کی فضائی طاقت زمینی طاقت کے مقابلے میں بے حد مضبوط ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾ [الفيل: 1-5].



اسلامی تہذیب کی خصوصیات اور مسلمانوں کی موجودہ ضرورت

از قلم..مولانا اسرار الحق قاسمیؒ

موجودہ مغربی تہذیب کوئی نوعمر تہذیب نہیں ہے۔دراصل اس کی جڑیں ہزاروں سال پرانی یونانی اور رومی تہذیبوں سے پیوستہ ہیں۔یونانی تہذیب مغربی ذہنیت کا سب سے پہلا اور واضح نمونہ تھی۔یہ پہلا تمدن تھا جو خالص حسی فلسفۂ حیات کی بنیاد پر قائم ہوا اور یونانی قوم ایک مخصوص نظریۂ تمدن کے علمبردار کی حیثیت سے دنیا پر چھا گئی۔اس تہذیب کا اصل الاصول انسان کی تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشوونما اور سب سے بڑا معیار خوبصورت اور سڈول جسم سمجھا جاتا ہے۔جسمانی تربیت، ورزشی کھیلوں، اور رقص وغیرہ کو اس لئے اس میں خاص اہمیت حاصل تھی۔اس میں زیادہ زور محسوسات پر ہے۔اس میں نہ روحانیت کا مغز ہے، نہ باطنیت کا، نہ پیشوایان دین کا طبقہ ہے نہ علم دین کا، یونانیوں کے جانشین رومی ہوئے اور قوت، مملکت کی تنظیم، سلطنت کی وسعت اور عسکری صفات میں ان پر فوقیت لے گئے۔لیکن علم وادب، تہذیب وشائستگی میں وہ یونانیوں کے درجہ کے کمال تک نہ پہنچ سکے۔اس وجہ سے ان کے ذہنوں پر یونانیوں کی گرفت ہمیشہ مضبوط رہی اور رومی ، یونانی تہذیب سے مغلوب رہے۔پھر ایک عرصے کے بعد رومی تہذیب بھی خاتمے کو پہنچ گئی۔اس کے بعد بھی مختلف تہذیبیں اس دنیا میں نمودار ہوتی رہیں اور ان میں سے سب کی کچھ نہ کچھ خصوصیات تھیں۔تہذیبوں کا اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔تاریخ کے آغاز سے ہی یہ عروج و زوال سمیری، کلدانی، اشوری، ہندی، ایرانی، رومی اور اسلامی تہذیبوں کا جزولازم رہا ہے۔اس کے نقطۂ عروج سے ہی اسلام نے قدیم اور جدید تہذیبوں کے مابین رابطے کا کام کیا ہے۔آج مغربی تہذیب کا دور ہے۔یہ تہذیب چارسو برسوں سے زیادہ پر محیط ہے، اس دور میں سائنس، سیاست اور سماجی

حالات میں کافی ترقی ہوئی ہے مگر آج مغرب سخت بحران سے دوچار ہے، اپنے افکار وخیالات اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس پر بحرانی کیفیت طاری ہے۔ وہ لوگ جو مغرب کی تہذیبی تاریخ، ان کے فلسفہ، سائنس اور نئے خیالات سے واقف ہیں وہ کم وبیش ان کے بحرانی نشانات کو دیکھ سکتے ہیں۔ ایک تہذیب کے لئے چار صدی طویل زمانہ ہوتا ہے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ماضی میں کچھ تہذیبیں اس سے بھی زیادہ زمانہ پر محیط رہی ہوں، لیکن سائنس، ٹیکنالوجی اور الیکٹرانک مواصلات میں جس سرعت کے ساتھ اس دور میں پیش رفت ہو رہی ہے، اس سے قبل کسی تہذیب میں نہیں ہوسکی ہے۔ البتہ چوں کہ مغرب کے معاشرہ پر تاریخی یا نظریاتی اعتبار سے یونان کی شہری ریاست اور بعد ازاں رومن سیاسی نظام کی چھاپ ہے، اس لئے ان دونوں تہذیبوں کی خامیاں اس ایک تہذیب کے اندر پائی جاتی ہیں، سماجی معاملات سے لے کر سیاسی امور تک میں مغرب اور مغربی تہذیب نے پوری دنیا کو اگرچہ اپنے زیر اثر لے رکھا ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ اس کے اندر کوئی ایسی حقیقی کشش اور کامرانی کی ضمانت نہیں ہے کہ اس کے بارے میں اطمینان کے ساتھ یہ رائے قائم کی جائے کہ یہ انسانیت کے لئے دوررس نفع کی حامل ہے۔

اس کے برخلاف اسلامی معاشرے کا باقاعدہ تاریخی ونظریاتی آغاز شہرِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہے۔ یثرب کا نام بدل کر مدینۃ الرسول رکھنا صرف نام کی تبدیلی نہیں تھی، نہ ہی جاہلیت کے دور سے ایام اللہ میں داخل ہونے میں کوئی منصب بدلنا تھا، بلکہ اوائلِ اسلام میں مدینۃ الرسول اور ایام اللہ کے رونما ہونے کے بعد اسلام کے اخلاقی جغرافیہ اور تاریخ نے نئے نقطۂ نظر، کردار اور تہذیب کو جنم دیا۔ یہ تہذیب اپنے منفرد اور خاص نقطۂ نظر کے ساتھ، انسان کا وجود اور اس کی ابتدا کے بارے میں صدیوں سے ان کے اجتماعی حافظہ اور روح کی گہرائیوں میں بسی ہوئی

ہے۔مدینۃ الرسول ہمارے لئے ایک ابدی اخلاقی گھر ہےاور ایام اللہ ہماری پوری عملی زندگی میں ایک برق کی مانند دوڑتے رہتے ہیں۔نظریاتی اعتبار سے مسلمانوں کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا کہ اسلام صرف دوسری عالمی تہذیبوں کی مانند ایک تہذیب نہیں، بلکہ وہ ایک کامل ومکمل دین ہے۔اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق واضح ہدایات موجود ہیں۔تجارت ہو یا زراعت، سیاست ہو یا ملازمت،انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی،معاشیات ہوں یا معاشرت،تہذیب ہو یا تمدن ہر ایک کے متعلق اسلام میں واضح رہنمائی موجود ہے۔دنیا کا کوئی اور مذہب یا تہذیب اسلام کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔اس کی شان یہ ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لئے ہے خواہ وہ کسی نسل کا ہو،کسی قوم کا ہو،کسی رنگ کا ہو،جو بھی زبان بولتا ہو اس کے لئے اسلام میں رہنمائی و ہدایت موجود ہے۔اسلام نے نسل،قوم،زبان اور رنگ کے تمام بتوں کو پاش پاش کیا اور برتری کا مدار تقویٰ پر رکھا۔دنیا کے تمام انسانوں کے لئے اسلام کا یہ نظامِ حیات قیامت تک کے لئے ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک کتنی صدیاں بیت جائیں،خواہ کتنے ہی انقلابات آئیں، یہ دین ہر زمانے کے لئے ہے، ہر صدی کے لئے ہے اور تمام حالات کے لئے ہے۔

عالم انسانیت کے لئے اسلامی تہذیب کے گیارہ اہم بنیادی عطیات ہیں جو اس طرح ہیں:۱۔صاف اور واضح عقیدۂ توحید ۲۔انسانی وحدت ومساوات کا تصور ۳۔انسانیت کے شرف اور انسان کی عزت و بلندی کا اعلان ۴۔عورت کی حیثیتِ عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی ۵۔ناامیدی اور بدفالی کی تردید،حوصلہ مندی اور اعتماد کی آفرینش۔۶۔دین و دنیا کا اجتماع،حریف وبرسر جنگ انسانی طبقات کے درمیان مصالحت پر زور۔۷۔دین اور علم کے درمیان مقدس دائمی رشتے کا قیام واستحکام۔۸۔علم کی تکریم وتعظیم اور اسے مفید، بامقصد اور خدارسی کا ذریعہ

بنانے کی سعیِ محمود۔۹۔دینی معاملات میں بھی عقل سے کام لینے،فائدہ اٹھانے اور انفس وآفاق میں غوروفکر کی ترغیب۔۱۰۔امت کو دنیا کی نگرانی ورہنمائی،انفرادی واجتماعی اخلاق ورجحانات کے احتساب،دنیامیں انصاف کے قیام اور شہادتِ حق کی ذمے داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔۱۱۔عالمگیر اقتصادی وتہذیبی وحدت کا قیام۔ان میں سے ہرعنوان بڑاوسیع اورطویل الذکر ہے۔اگر بعثت محمدی سے پہلے کے جاہلی زمانوں اورتہذیبوں اورظہورِاسلام کے عہد وتہذیب اور معاشرہ کے درمیان حقیقت پسندانہ موازنہ کرکے دیکھاجائے توان میں سے ہرایک کی اہمیت و حقیقت روزروشن کی طرح عیاں ہوکرسامنے آجائے گی۔

اسلامی معاشرہ نہ دوسروں پرتسلط حاصل کرنا چاہتاہے اورناہی کسی دوسرے کے غلبہ کوتسلیم کرتاہے۔وہ دوسری اقوام کے خودفیصلہ کرنے اورضروری وسائل تک ان کی رسائی کے حق کوایک باعزت زندگی کے لئےتسلیم کرتاہے۔وہ قرآنی تعلیمات کے مطابق موجودہ تمام تکنیکی ترقی کے ضروری ذرائع ووسائل کے حصول کواپنا حق مانتاہے اور دوسروں کے غلبہ اور ماتحتی کی تردید کرتاہے۔اسلامی معاشرہ قوموں کےتعلقات میں طاقت کے استعمال،منافقت اوردوہرے رویہ کی تردیدکرتاہےاوراس کے بدلے میں بین الاقوامی تعلقات میں باہمی عزت واحترام کے اصول اورمنطق کواپناتاہے۔اسلام مسلمانوں سے یہ تقاضانہیں کرتاکہ وہ یکسر دنیاسے لاتعلق ہوجائے اور نہ یہ کہ مسجد میں جابیٹھے اورپھر وہاں سے نہ نکلے،نہ اسلام یہ چاہتاہے کہ انسان غار میں جاکر پناہ گزیں ہوجائے اور پوری زندگی وہیں گزاردے،ہرگزنہیں۔بلکہ مسلمانوں سے اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی بہترین تہذیب اور بے مثال تمدن کوپوری طرح اپنائیں تاکہ مہذب اقوامِ عالم پر سبقت لے جائیں،مال ودولت کے اعتبار سے دنیامیں سب سے زیادہ دولت مندہوں اورعلم و

حکمت کے لحاظ سے تمام علوم کے سب سے بڑے عالم ہوں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہمارے تشخص کا ماضی کے ساتھ گہرا ربط ہے۔لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے ماضی کی طرف لوٹ جائیں۔خدا کا پیغام وحی کے ذریعے ہم پر ماضی ہی میں بھیجا گیا تھا۔لیکن وہ کسی ایک زمانے کے لئے نہیں تھا۔ہمیں اپنے ماضی کا حوالہ دینا چاہئے، کیوں کہ ہمارا تشخص ماضی میں ہے،لیکن ہمیں ماضی میں ہی نہیں رہنا چاہئے، وہ تو مراجعت ہوجائے گی۔ماضی کی جانب ہم اس لئے دیکھیں کہ ہمیں آگے مستقبل کی طرف چھلانگ لگانے کے لئے تختہ فراہم ہوجائے، مستقبل کی طرف آگے بڑھتے ہوئے ہم آج کی دنیا کو پورے طور پر سمجھیں اور انسانی تمدن اور افکار کی مثبت کامیابیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، وہ خواہ کہیں بھی ہوں،صرف اس طریقۂ کار سے ہی ہم اپنے ماضی کی عظمت اور شان کو دوبارہ زندہ کرسکتے ہیں۔

اپنے حال اور مستقبل کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی کا ڈول ایسا ڈالا جائے جس میں روحانی صفات اور الہام ہو لیکن اس کے ساتھ انسانی تعقل پسندی اور انسانی حقوق کا پورا احترام کیا جاتا ہو۔آج کی رائج مغربی تہذیب اپنی بے پناہ ترقیوں کے باوجود انسانوں کی قلبی و ذہنی آسودگی اور روحانی تسکین کے باب میں جو کہ اس کی اصل اور بنیادی ضرورت ہے، پوری طرح ناکام ہوچکی ہے، اسلام ہی ایک ایسا دین اور اسلامی تہذیب ہی واحد ایسی تہذیب ہے جو انسانوں کی ہر قسم کی ترقیات کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ان کی دلی، ذہنی و روحانی تسکین و کامرانی کا سامان کرسکتا ہے، اس کے لیے پہلے خود مسلمانوں کو اپنی تہذیب اور دین سے مکمل طور پر جڑنا ہوگا، اگر مسلمان خود ہی اسلامی تہذیب سے دور رہیں تو پھر دوسری قوموں کو اسلام کے دامن میں پناہ گزیں ہونے کی دعوت کون دے گا؟۔(بشکریہ: ساحل اونلائن)

زبان بہت بڑی نعمت ہے

ازقلم ....ثانی القاسمی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے ان میں ایک عظیم نعمت 'زبان' بھی ہے۔زبان قلوب واذہان کی ترجمان ہے،اس کا صحیح استعمال حصول ثواب کا ذریعہ اور کامیابی کا سبب ہے اور اس میں بے احتیاطی اور اس کا غلط استعمال بڑے بڑے گناہوں کا بوجھ اور ناکامی کا سبب ہے۔

زبان کا درست استعمال: قرآنی آیات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا ایک ایک بول محفوظ ہے اور روزِ قیامت اِن سب کا حساب دینا پڑے گا۔زبان چونکہ ایک عظیم نعمتِ خداوندی ہے اور قاعدہ ہے کہ تمام نعمتوں کو اسی طرح استعمال کرنا ضروری ہے جس طرح اِستعمال کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے، ورنہ نعمت کا غلط استعمال ،نعمت کی ناقدری اور ناشکری کے زُمرے میں آتا ہے جو عذابِ شدید کا موجب ہے۔

زبان میں بد احتیاطی کا نتیجہ: امام ابومحمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف 'احیاء العلوم' میں تحریر فرماتے ہیں کہ زبان کو غلط حرکت دینے سے بیس بڑے بڑے گناہ وجود میں آتے ہیں جن میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان، الزام تراشی، فضول بحث، فحاشی، گالم گلوچ، پُرتکلف مصنوعی گفتگو،لعن طعن، گانا بجانا، دوسروں کا مذاق اڑانا، وعدہ خلافی کرنا دوسروں کے راز فاش کرنا، دوسروں کی چاپلوسی کرنا، اور خوشامد کرکے ان کی تعریف کرنا، دینی معاملات میں غیر محتاط گفتگو کرنا شامل ہیں۔ یہ سب بڑے گناہ زبان کو حرکت دینے اور بولنے سے وجود میں آتے ہیں۔

جبکہ زبان پر قابو پانے اور خاموش رہنے میں ان سب گناہوں سے نجات ہے۔

اکابرینِ امت اور زبان کا صحیح استعمال: یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر واسلاف زبان کے استعمال میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ جب تک کوئی ضرورت یا حاجت داعی نہ ہوتی تو بلاوجہ بولنے سے پرہیز کرتے تھے۔ معروف محدث ابن ابی الدنیا بغدادی المتوفی 281ہجری کی کتاب ''الصمت وآداب اللسان'' میں صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین، علماء وصلحاء اور مشائخ طریقت کے حوالے سے متعدد واقعات تحریر فرمائے جن سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر واسلاف زبان کی حفاظت میں کس حد تک احتیاط کرتے رہے اور اس سلسلے میں امت کو کیا نصیحت کر گئے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے اپنی زبان کی حفاظت نہ کی اس نے دین کو نہیں سمجھا۔''

گالی ایک سنگین جرم: گالی ایک سنگین جرم اور خطرناک گناہ ہے، اکثر اختلافات، لڑائی جھگڑے گالی کا ہی پیش خیمہ ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی گالی باہمی کشت وخون اور آپسی خانہ جنگی تک پہنچا دیتی ہے، بے غیرتی و بے حمیتی کی انتہا ہے کہ گالی نکالتے وقت ماں اور بہن کو زیادہ نشانہ بنایا جاتا ہے، اور اس مقدس رشتے کی عظمت وتقدس کو پامال کرتے وقت ذرا سی بھی شرم وحیا اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی جاتی۔

بے حسی کا عالم: اور گالی سننے والے کی بے حسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ مسکراتے ہوئے ہنسی خوشی اسے قبول کر لیتا ہے اور یہ کہتا ہوا خاموش ہو جاتا ہے کہ میرے دوست نے ہی تو گالی دی ہے، تو کیا ہوا؟ اگر کوئی اور شخص گالی دیتا تو پھر دیکھتا، یا پھر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کوئی بات نہیں مذاق ہی میں تو گالی دی ہے! ہمارا آپس میں مذاق چلتا ہے، ہم ایک دوسرے کے مذاق کو دل پر نہیں لیتے، اور اگر

سننے والے میں غیرت وحمیت ہوتی ہے اور سننے والا گالی کا برا مانتا ہے تو گالی دینے والا بات بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ ارے مذاق ہی تو کیا ہے، اب تم مذاق کا بھی برا مان گئے؟ بلکہ اکثر ذمے دار افراد کی طرف سے یہ تاویل سننے کو ملتی ہے کہ کوئی بات نہیں بیٹا یہ تیرا دوست ہی تو ہے، مذاق کرتا ہے تو کرنے دے، تو کیوں دل پر لیتا ہے؟ دل پر مت لے۔

گالی بازی کا مقابلہ: کبھی کبھی اپنی شان دکھانے کے لیے گالی بازیوں کا مقابلہ ہوتا ہے، میں تجھ سے لمبی زبان کا مالک ہوں، مجھے فحش گوئی و بدگوئی میں تجھ سے زیادہ مہارت حاصل ہے جیسا کہ کسی عربی شاعر نے کہا۔

ألا لا يجهلن أحد علينا فنجهل فوق جهل الجاهلينا

(خبردار! ہم سے کوئی اکھڑ پن (جہالت) نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو ہم جاہلوں سے بھی زیادہ جہالت دکھا سکتے ہیں۔)

افسوس ناک صورت حال: کبھی کبھی اپنی بات منوانے کے لیے گالیوں کا سہارا لیا جاتا ہے، کیوں کہ دلائل سے تو جیتا نہیں جاسکتا؛ لہذا زبان کے ذریعے بدزبانی کے گولے داغ کر شکست کو فتح میں تبدیل کرلیا جائے جس قوم کی بے راہ روی کا یہ عالم ہو وہاں غضب الٰہی کا نزول نہ ہو تو اور کیا ہو؟ بعض حضرات تو اپنی گفتگو کا آغاز ہی گالیوں سے کرتے ہیں؛ حتیٰ کہ بعض ناعاقبت اندیش ماں باپ اپنے بچوں سے گالیاں سن کر مسکراتے اور کھلکھلاتے ہیں؛ بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں کچھ لوگ اپنے بچوں کو ٹریننگ بھی دیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے بچوں کو حکم بھی کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو گالی دو، ایسی گالی دو اور ایسے گالی دو استغفر اللہ اور حیرت ہے کہ گالیوں کی قسمیں بھی ہیں اور قیمتیں بھی، بعض دیہاتیوں کے منہ سے سننے کو ملا کہ فلاں شخص نے فلاں کو اس قسم کی گالی دی اور اتنے لاکھ کی گالی دی۔

گالی خطرناک گناہ ہے: کچھ طبقوں میں گالی بطور عادت، کچھ کے یہاں بطور فیشن اور مذاق

اور کچھ کے یہاں بحالت مجبوری گالیاں دی جاتی ہیں، اور کئی لوگ جذبات اور غصے کی حالت میں گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہیں حالانکہ کسی بھی حالت میں کسی کو بھی گالی دینا مذہب اسلام میں حرام، سنگین جرم اور خطرناک گناہ ہے۔

بطور عادت: بعض لوگوں سے جب پوچھا جاتا ہے کہ آپ بغیر کسی وجہ کے گالی دیتے ہیں، اور یہ بری حرکت کرتے وقت آپ کسی بھی رشتے کا کوئی خیال نہیں رکھتے، آخر کیا وجہ ہے کہ آپ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ بس کیا کیجیے، عادت سی پڑ گئی ہے اور کوئی بات نہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ بری عادت کس نے ڈالی؟ دراصل یہ بچپن میں سکھائے گئے الفاظ ہیں جو نہ جوانی میں بھول پائے اور نہ بڑھاپے میں اس بری عادت سے پیچھا چھوٹا۔ سب جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں اکثر گھر ایسے ہیں کہ جہاں کی مائیں اپنے بچوں کو لعن طعن اور گالم گلوچ کرتی رہتی ہیں، بات بات پر گالیاں بکنا ان کا شیوہ ہے، جب بھی انھیں غصہ آتا ہے تو گالیوں کی بوچھاڑ کی جاتی ہے، جب کہ بچے کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے، جہاں اسے اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی ہے اور خوش خلقی کے اقدار سے واقف کرایا جاتا ہے۔

والدین کی غفلت اور بچوں کی بے راہ روی: ہماری بیٹی بہت ضدی ہے، بڑا بیٹا بہت بدتمیز ہو گیا ہے، ایک بیٹی گالیاں بہت دینے لگی ہے، اور میرا ایک بیٹا بہت جھوٹ بولنے لگ گیا ہے، پتا نہیں بچے یہ سب کہاں سے سیکھتے ہیں؟ اسکول میں دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر ایسے ہو گئے ہیں''۔ اس طرح کے جملے عموماً ہمارے سننے میں بہت آ رہے ہوتے ہیں، یا پھر ہم کسی کے بدتمیز بچے کو دیکھ کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ: ''اس بچے کے ماں باپ بہت جاہل ہیں، اپنے بچے کی درست تربیت ہی نہیں کی''۔ لیکن کیا کبھی کسی نے سوچا کہ بچے ایسے کیوں ہیں؟ بچے اتنے بگڑ رہے ہیں تو کیا

چیز بری نہیں لگتی وہ تھوڑا سا بڑا ہو کر بے دھڑک گالیاں دینے لگتا ہے اور اس وقت ماں اس بچے کو تھپڑ مارتی ہے۔ اور صرف تھپڑ نہیں ساتھ خود بھی گالیاں دے رہی ہوتی ہے، اب اس بھولی عورت کو کون سمجھائے کہ جس بات سے تم بچے کو مار رہی ہو وہی تم خود کر رہی ہو، بچے کا ننھا دماغ الجھ جاتا ہے کہ، ماں مجھے گالیاں دے کر گالیاں دینے پر مار رہی ہے۔ اکثر مائیں بچے کی ضد کا رونا روتی ہیں، لیکن وہی مائیں ساس یا نند کے بچے کو کسی ضد پر ٹوکنے سے بچے کو بغل میں داب کر کہہ رہی ہوتی ہیں: ''کیا ہو گیا جو یہ فلاں چیز مانگ رہا ہے، بچے تو ضد کرتے ہی ہیں'' بچے تو گالی بولتے ہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس ماں کا یہ ایک جملہ بچے کو آسمان تک لے جاتا ہے، بچہ ماں کی ہمدردی پا کر مزید ضدی بن جاتا ہے، پھر وہی مائیں کہہ رہی ہوتی ہیں: ''پتا نہیں میرا بچہ ہی اتنا ضدی کیوں ہے؟ یہ ہی اتنا گالی کیوں دیتا ہے؟ اگر بچہ بہت مار پیٹ کرنے والا ہو، ساتھ کھیلتے بچوں کی چیزیں چھین لیتا ہو، کسی کو دانت سے کاٹ دیتا ہو، کسی کو چٹکی کاٹ کر بھاگ جاتا ہو، کسی کے بال نوچ لیتا ہو تو اس بچے کی والدہ اس کو سب بچوں کے سامنے مارتی ہے اور جب وہ معصوم بچہ سب کے سامنے اپنے ساتھ یہ برتاؤ دیکھتا ہے تو اس کے اندر غصہ بھر جاتا ہے۔ ننھا سا بچہ غصے کے مفہوم سے آشنا نہیں ہوتا لیکن غصہ اسے بھی آتا ہے، پھر وہ بچہ بار بار مار کھانے کے بعد ایک دن ایسا آتا ہے کہ اسے جتنا مار لو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اسی ڈھٹائی سے سب بچوں کے ساتھ لڑتا جھگڑتا ہے، گالیاں دیتا ہے، چھینا جھپٹی کرتا ہے اور ان کے والدین سر پکڑے بیٹھے ہوتے ہیں یا پھر بچے پر کسی جن یا اثرات کا وہم پال کر پیروں فقیروں سے علاج، دم درود کرواتے ہیں اور جب ایک پیر بالکل ٹھیک ٹھاک بچے پر دم کرتا ہے تو اس بچے کے اندر واقعی جن نکل بھی آتا ہے۔

پہلے زمانے کی مائیں: پہلے زمانے میں مائیں بچوں کو گود میں لے کر تلاوت قرآن کیا کرتی

بچوں کی صحبت خراب ہے یا وہ دوسرے بچوں سے سیکھ رہے ہیں۔

والدین کو بھی تربیت کی ضرورت ہے: آپ نے ہمیشہ بچوں کی تربیت کے بارے میں تو بہت کچھ پڑھا اور سنا ہوگا لیکن کبھی والدین کی تربیت کے بارے میں نہیں سنا ہوگا۔ بچوں کی تربیت کرنے والوں نے کبھی یہ کیوں نہیں کہا کہ: ''والدین کو بھی تربیت کی ضرورت ہے''؟ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا ننھا سا دماغ اپنے گھر والوں کو پہچاننا شروع کرتا ہے، وہ ماں کے لمس کو، باپ کے بوسے کو، بہن بھائیوں کی شرارتوں کو پہچاننے لگ جاتا ہے۔ اور یہ یہی وقت ہوتا ہے جب والدین کو تمیز اور تہذیب کا مظاہرہ کر کے بچے کو اچھے اور برے کی تمیز کروانی ہوتی ہے۔ ماں گود میں بچے کو ڈال کر دوسرے بچوں پر چیخ چلا رہی ہوتی ہے اور گود میں پڑا بچہ وہ چیزیں اپنے اندر محفوظ کر رہا ہوتا ہے جو بڑے ہو کر اس کی ضد اور جھنجھلاہٹ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ باپ بچے کے سامنے بیوی پر دھاڑ رہا ہوتا ہے، بچوں کو گالیاں دے رہا ہوتا ہے اور اس بچے کے دماغ کے کسی کونے میں وہ گالیاں محفوظ ہو رہی ہوتی ہیں۔ جو بچے کے بڑے ہونے پر سامنے آتی ہیں اور والدین کہہ رہے ہوتے ہیں کہ: ''ہمارا بچہ اسکول اور مدرسے جانے لگا تو گالیاں سیکھ آیا'' بچوں کی تربیت سے پہلے والدین کو تربیت کی ضرورت ہے، والدین کا کام صرف بچے کو، اچھے کھانے کھلانا، مہنگے اسکولوں میں تعلیم دلوانا، بڑے مدرسوں میں بھیجنا اور ان کی ہر فرمائش پوری کرنا ہرگز نہیں ہے، بلکہ بچے کو کچھ بھی نہ دیں بس اس کی اچھی تربیت کریں، کیوں کہ بچے کی اچھی پرورش آپ کی ذمہ داری ہے۔ اکثر بچے بہت زیادہ گالیاں دیتے ہیں، جب وہ پہلی مرتبہ اپنی توتلی زبان سے گالی نکالتے ہیں تو والدین ہنستے ہیں۔ ''ارے ہمارا بچہ کتنی پیاری گالی دیتا ہے''۔ وہ اس پہلے قدم پر بچے کو روکتے نہیں بلکہ اس کے بولنے پر خوش ہوتے ہیں اور جب وہ خوش ہوتے ہیں تو بچہ سمجھتا ہے کہ یہ کوئی غلط بات نہیں، اسے یہ

تھیں، شوہر سے دھیمے لہجے میں بات کرتی تھیں، گالیاں دینا کفر سمجھتی تھیں، شرم وحیا کا پیکر ہوا کرتی تھیں اور پھر ان ماؤں کے ہی بچے شیخ سعدیؒ، اسماعیل بخاریؒ، محمد بن قاسمؒ، سلطان غزنویؒ، صلاح الدین ایوبیؒ بن کر ماں کی گود سے نکلتے تھے اور پوری دنیا میں چھا جاتے تھے۔

موجودہ نسل: آج کل کی نسلوں میں فلمی کرداروں، ڈرامہ اداکاروں کا عکس تو نظر آتا ہے لیکن افسوس کوئی محمد بن قاسم نظر نہیں آتا، کیوں کہ آج والدین کو تربیت کی ضرورت ہے، والدین خود کو تبدیل کریں، اپنا رویہ تبدیل کریں، زندگی سے جھوٹ، بے ایمانی، دھوکہ، غصہ، گالیاں، لڑائی جھگڑے نکال دیں اور پھر اپنے بچوں کی تربیت کریں تو وہ بچہ معاشرے کا ایک بہترین فرد بنے گا۔

(جاری....)

دلاسہ

مسکراتی ہوئی آنکھوں کو یوں پرنم نہ کرو
جو ہوا ہو گیا اب بیٹھ کے ماتم نہ کرو

آگے کا سوچو کہ کیا کرنا ہے عملی اقدام
اپنی تقدیر کو تدبیر پہ برہم نہ کرو

چاہے دنیا ہو مخالف کہ فلک بھی ہو خلاف
اپنا سر ایسوں کے آگے تو کبھی خم نہ کرو

ابھی لینا ہے تمہیں سارے مظالم کا حساب
زخمِ دل تازہ کو شرمندۂ مرہم نہ کرو

جذبہ و شوقِ شہادت ہو ذرا اور بھی تیز
دل میں بھڑکی ہوئی آتش کو ابھی کم نہ کرو

اصل دولت تو ہے ایمان و یقیں کی دولت
اپنی کھوئی ہوئی جاگیر کا کچھ غم نہ کرو

سرد آہوں کی سلگتی ہوئی آنچ اور ہو تیز
کرن امید کی روشن رکھو مدھم نہ کرو

ثانی اررياوی

علماء معاشرے کا کنٹرول کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

ازقلم...مفتی قیام الدین قاسمی سیتامڑھی

اگر علماء عوام کو باطل کے چنگل سے آزاد کر کے پھر سے معاشرے کا کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کرنا ہوگا:

1۔ خود کو معاشرے کا دماغ تصور کریں:

آپ ذرا سوچیے کہ سات براعظموں میں سے ایک براعظم کے ایک ملک کے ایک چھوٹے سے صحرائی شہر میں بیٹھا ایک غریب یتیم غیر حاکم شخص وسائل و پاور کی عدم فراہمی کے باوجود یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں پوری دنیا کے لیے رحمت ہوں، بالفاظِ دیگر وہ پوری دنیا میں خیر پھیلانے اور برائی کو مٹانے کی ذمہ داری اپنے سر لے کر اس کی انجام دہی کے لیے متفکر اور تگ ودو میں مصروف ہے، کون ہے وہ؟ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک بار درود شریف پڑھ لیں اس عظیم شخصیت پر۔

اسے کہتے ہیں معاشرے کا دماغ، اسی شخصیت نے العلماء ورثۃ الانبیاء (ابوداؤد:۳۶۴۱) کہہ کر اپنے بعد ہمیں معاشرے کا دماغ بنایا ہے تو پھر ہم کیوں نہیں ان کی طرح سوچ سکتے؟ ہمیں ہر حال میں سوچنا ہوگا کیوں کہ جتنا غافل یہ دماغ ہوتا جائے گا اتنا ہی خراب معاشرہ ہوتا چلا جائے گا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ نبی نے اسے اپنا وارث بنایا، ہزاروں لاکھوں لوگوں کی شفاعت کا اختیار اس کو ملا، انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (الفاطر:۲۸) اور یرفع اللہ الذین آمنوا منکم و الذین اوتوا العلم درجات (المجادلہ:۱۱) کہہ کر اس کا مرتبہ عام لوگوں

سے بلند کیا گیا، اس کے لیے فرشتے پر بچھاتے ہیں، کیا یہ ساری فضیلتیں بس بنا کسی محنت کے مل جائیں گی؟ کیا یہ صرف قرآن وحدیث پڑھ لینے اور سمجھ لینے کی بدولت ہے؟ نہیں، انگلش کا ایک مقولہ مشہور ہے With great powers comes great responsibility اور اسلام میں بڑے فضائل کے ساتھ بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

یاد رکھیں کہ قرآن وحدیث محض الفاظ یا کتابوں کا نام نہیں یہ ایک سسٹم ہے اور سسٹم صرف پڑھانے اور سمجھانے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ لاگو کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور نافذ نہ ہونے تک چین لیے بنا جدو جہد کرنے کے لیے ہوتے ہیں اگر ہم نے قرآن وحدیث کو خود کے ساتھ ساتھ معاشرے کو بدلنے کے لیے استعمال نہیں کیا تو ہم صرف حاملینِ الفاظِ قرآن وحدیث ہیں حاملینِ قرآن وحدیث نہیں وشتاّنَ ما بینہما وبین فضائلھما.

اب آپ کرونولوجی اور ترتیب سمجھئے:

معاشرہ ایک اجتماعی اکائی ہے جو افراد سے مل کر بنتا ہے، اسے چلانے کے لیے دماغ درکار ہے کیوں کہ جب فرد بغیر دماغ کے کام نہیں کرسکتا تو افراد کا مجموعہ بھی بغیر دماغ کے کام نہیں کرسکتا۔

2۔ مقصد:

اس دماغ کو اولاً یہ سوچنا ہوتا ہے کہ اس معاشرے کو مجھے کس مقصد کس ڈگر پر لے کر جانا ہے تو جان لیں شریعت کے بنیادی طور پر دو ہی مقاصد ہیں: دینی اور دنیوی منافع اور مصالح کا حصول اور دینی اور دنیوی نقصانات اور فسادات کا دفعیہ۔ ہمیں معاشرے کے ہر فرد کو ایک مرکزی نقطہ پر لاکر کھڑا کرنا ہے کہ مجھے اسلام کا خادم بننا ہے

3۔ اس کے بعد اپنی محنت کا دائرۂ کار اور افراد کی تعیین کرنی ہوگی:

یعنی ہم عالمی سوچ رکھنے کے بعد شروعات تو بہرحال ایک چھوٹے سے گاؤں یا علاقے سے ہی کریں گے تو ہمارے پاس اس گاؤں کے تمام افراد (بچے، جوان، بوڑھے اور عورتوں) کی لسٹ ہونی چاہیے، اس کی دلیل سیرت سے یہ ہے کہ جب کوئی صحابی نماز میں غائب ہوتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے فوراً بعد ان کے بارے میں دریافت فرماتے، ہم نے اپنے کلاس میں بارہا اس طرح کی حدیثیں پڑھی ہوں گی مگر اسی کو جب ہم وائیڈ ر پکچر اور وسیع تناظر میں دیکھنے کی کوشش کریں گے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ دماغ کو اپنے دائرۂ کار کے ہر فرد کی خبر ہونی چاہیے۔

4۔ان کی صلاحیتوں کی تشخیص کرنی ہوگی:

مثلاً کتنے جاہل ہیں کتنے عالم ہیں، کتنے پیشوں سے وابستہ لوگ موجود ہیں، کتنے لوگوں کو کتنی زبانیں آتی ہیں، کتنے لوگ مال دار ہیں کتنے غریب ہیں، کتنے مرد اور عورتیں شادی شدہ ہیں اور کتنے غیر شادی شدہ، کتنی بیوائیں ہیں اور کتنی مطلقہ، کتنے لوگ دین سے وابستہ ہیں اور کتنے بے دین، بہرحال ان کی معاشی، دینی، اخلاقی غرض ہر قسم کا بایوڈاٹا اس دماغ کے پاس موجود ہونا چاہیے، اور میں سمجھتا ہوں کہ امت میں ترقی نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم لوگ اپنے دائرہ کار کی تعیین وتحلیل کے ساتھ منظم انداز کی کوشش نہیں کرتے ہم لوگ جگہ جگہ چھوٹے دیے تو جلا لیتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ انہیں چراغوں کی قیمت کو جمع کر کے ایک بڑا ایل ای ڈی بلب خرید کر اس ہال کو ان دسیوں چراغوں سے کہیں زیادہ روشن بنایا جاسکتا ہے۔

5۔ پھر اس دماغ کو انسانوں کی نفسیات اور ان کو متاثر کرنے کے طریقوں کو جاننا ہوگا، آج کل جمعے کے خطاب میں اکثر لوگ بے توجہی سے بیٹھے بس نماز کے وقت کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں کیوں؟ ہمیں پبلک اسپیکنگ نہیں آتی، لوگوں کی سائیکالوجی نہیں سمجھ آتی، مردم شناسی نہیں آتی کہ

کب کس سے کس انداز سے کون سی بات کرنی ہے۔

6۔اسے لوگوں میں اجتماعیت کا احساس پیدا کرنا ہوگا:

کیوں کہ ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

انہیں انما المومنون اخوۃ (الحجرات:١٠) کا کنسیپٹ اور مَثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى (البخاری:٦٠١١) کا فلسفہ سمجھائیں انہیں یہ ذہن نشین کرائیں کہ اسلام اور اجتماعیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اسلام کا تصور اجتماعیت کے بغیر ممکن نہیں اور اجتماعیت کا تصور اسلام کے بغیر مفید نہیں۔

7۔ ان کے مسائل اور ضرورتوں کی تشخیص کرنی ہوگی کہ اس علاقے کے کیا مسائل ہیں کیا ضرورتیں ہیں کیا پریشانیاں ہیں، اس کے لیے آپ کو اس علاقے میں گھوم گھوم کر لوگوں سے ملنا ہوگا، اپنی تجزیاتی قوت کو استعمال کرتے ہوئے مسائل اور ان کی جڑ تک پہنچنا ہوگا، اپنے تجزیے کے ساتھ ساتھ لوگوں سے ان کی ہی زبانی ان کے مسائل سمجھنے کی کوشش کرنی ہوگی، قرآن کے سيروا في الارض (العنکبوت:٢٠) کا فلسفہ یہی ہے کہ آدمی سیر کر کے ماضی کے حوادث سے عبرت لے اور پھر حال کے مسائل کا تجزیہ کر کے ان کا حل تلاش کرے اور یہ کوشش کرے کہ یہاں وہ حوادث پیش نہ آئیں۔

8۔اپنے دشمنوں کو پہچاننا:

ویسے تو یہ مسائل کی تشخیص کے ضمن میں ہی آجاتا ہے مگر اس کی اہمیت کی خاطر الگ سے ذکر

کر دیا، دشمن سے مراد اسلام اور مسلم مخالف نظریات مثلاً قدیم تہذیبی روایات اور humanism انسان پرستی and scientism سائنس پرستی syncretism or omnism بین المذاہب ہم آہنگی atheism الحاد and agnosticism تشکیک liberalism آزاد خیالی and secularism لادینیت feminism نظریہ حقوق نسواں Marxism and capitalism,rationalism عقلیت پرستی and empiricism تجربہ پرستی، اسی طرح مسلم مخالف ادارے اور شخصیات مثلاً آر ایس ایس، صہیونیت، اقوام متحدہ اور اس کے انسانی حقوق کے چارٹر اور یہود کی معرفت، ان کے طریقۂ کار سے واقفیت اور ان سے نظریاتی وفزیکل مقابلے کی پلاننگ کرنا۔

9۔ ترجیحات کا تعین:

اب تک جتنے مسائل، فتنوں اور ضرورتوں کی تشخیص کی گئی ہے ان کی ایک دو تین کر کے درجہ بندی کرنا، کس مسئلے اور کس فتنے اور کس ضرورت کو اپنی اولین ترجیح بنانا ہے؟ ضرورتوں میں بنیادی ضروریات کو پہلے ترجیح دی جائے مثلاً: مکان، روزی روٹی اور کپڑا پھر دیگر ضروریات۔ مسائل میں عموم بلویٰ (جس مسئلے سے سب سے زیادہ افراد دو چار ہوں) کو ترجیح کی بنیاد بنائی جائے۔

اور فتنوں میں سے اس فتنے کے قلع قمع کو اولین ترجیح دی جائے جس سے پانچ مقاصدِ شریعت حفاظتِ دین و جان و عقل و نسل و مال میں سے سب سے زیادہ مقاصد بیک وقت فوت ہو رہے ہوں۔

10۔ ایکشن پلان:

جب آپ نے مسائل کی شناخت کر کے ترجیحات متعین کر لیں تو اب ایسا ایکشن پلان

بنائیں جس سے قوم کی دینی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، سماجی، اور ذہنی غرض ہر قسم کی ترقی ہو، جس میں مسائل کا حل بھی ہو اور ڈیولپمنٹ کی فیوچر پلاننگ بھی، اور ہر ترجیح کے لیے ایک الگ لائحۂ عمل بنائیں پھر اس کے بعد میدانِ عمل میں آئیں اور فیلڈ ورک شروع کردیں، ہماری پریشانی یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں محض جذبات ہوتے ہیں کہ قوم کا خادم بننا ہے قوم کا دینی و دنیوی معیار اونچا کرنا ہے لیکن کیسے کرنا ہے کوئی پلاننگ نہیں ہوتی بس روایتی انداز میں کام کا جو انداز چلا آرہا ہوتا ہے ہم بس انہیں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیتے ہیں اور پھر **کل حزب بما لدیھم فرحون** (الروم: ۳۲) والا منظر ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے؛ لیکن جب تک میدانِ عمل میں آنے سے پہلے ہمارا ایک ہولیسٹک ویو پوائنٹ نہیں ہوگا اور ہولیسٹک ڈیولپمنٹ (کلی اور مجموعی ترقی) کا خاکہ ہمارے ذہنوں میں نہیں ہوگا اور ٹارگٹ بنا کر میدان عمل میں اترنے کا عزم نہیں ہوگا ہم میں کبھی وہ تڑپ پیدا نہیں ہو پائے گی جو ہر وقت امت کے لیے سوچنے پر ہمیں مجبور کردے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوچا کرتے تھے اور جس کی بنا پر راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی امت کی خاطر رویا کرتے تھے۔

80/20 کا فارمولا یاد رکھیں کہ پلاننگ پر بیس فیصد کام میدانِ عمل کی اسی فیصد محنت کو کم کردیتا ہے۔

ایکشن پلان کس بنیاد پر بنایا جائے؟ طاقت اور نفع کے حصول کے جتنے ذرائع ہیں ایک گاؤں کے اندر وہ تمام طاقتیں مہیا ہونی چاہئیں، ہر پروفیشن کا آدمی ہونا چاہیے، کیوں کہ ہمیں صرف لوگوں کے مال کو استعمال نہیں کرنا ہے قوم کے لیے، بلکہ ان کی صلاحیتوں کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، مثلاً ایک مستری ایک مزدور ایک الیکٹریشین بھی قوم کی خدمت کرسکتا ہے مہینے میں ایک دن قوم کے لیے وقف کرکے۔

یادرکھیں کہ صرف طلب گاروں کو دین کا نفع بتا کر دین پر لایا جا سکتا ہے، مگر بے طلبوں میں یا تو طلب پیدا کرنی ہوتی ہے جو کہ خاصا وقت طلب کام ہے یا پھر دین پر لانے کا پریکٹیکل طریقہ یہ ہے کہ اس محنت پر ہم مادی فوائد کا خول چڑھا دیں، یعنی ان کے دنیوی مسائل حل کر کے ہم انہیں دین کی طرف راغب کریں، یعنی تدریس و امامت کے علاوہ کسی اور ذریعے سے بھی ویلفیئر اور خدمتِ خلق کو ہم اپنی اولین ترجیحات میں شامل کریں۔

11-پاورز کا حصول:

اب اس تشخیص اور پلاننگ کے بعد معاشرے پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی ذرائع، ریسورسز، عوامل اور پاورز چاہیے ہوتے ہیں، وہ پاورز ہیں: علم اور نالج، مال، ٹکنالوجی، میڈیا، مذہب، سیاست، مختلف پیشے، امدادی آرگنائزیشن یعنی اجتماعیت والی افرادی قوت، اور حکومت (عدلیہ، منتظمہ، فوج) فتلك عشرة كاملہ۔

پاورز کے حصول میں ہم سے ہونے والی غلطی:

ہم یہ ساری پلاننگ کرنے سے پہلے ہی وسائل کی کمی کا رونا رونے لگتے ہیں اور مایوسی کا شکار ہوجاتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ جب وسائل ہیں ہی نہیں تو اتنی دور کی کیوں سوچیں اور اتنی لمبی کیوں ہانکیں، لیکن یادرکھیں کہ اللہ کے یہاں اور فیصلے آپ کے زمینی اعمال کی بنا پر نہیں بلکہ نیتوں کے مطابق ہوتے ہیں، ثواب نیتوں پر ملتے ہیں، آپ نیت تو کریں اور پلاننگ تو کریں، جس طرح ایک سرمایہ دار کسی شخص کی کمپنی میں محض خواہش اور جذبے کی بنا پر سرمایہ کاری نہیں کرتا جب تک وہ باضابطہ ایک پورا بزنس پرپوزل بنا کر اس کے منافع کی یقین دہانی نہ کرادے، اسی طرح ہم قوم کی ترقی کا پورا پلان بنا کر اللہ کے سامنے پیش تو کریں پھر دیکھیں کیسے وہ وسائل کو ہمارے تابع کر دیتا ہے۔

12۔اپنے کام کو پروموٹ کرنا:

ہمارا دینی طبقہ اخلاص کے نام پر اور ریا کاری کے ڈر سے اپنے کاموں کی مارکیٹنگ اور پروموشن میں سب سے پیچھے ہے، کسی بھی چیز کے لیے ہائپ کیسے پیدا کیا جاتا ہے یہ سیکھنے کی ہمیں بہت زیادہ ضرورت ہے، ورنہ پھر ہوتا کیا ہے کہ ہم گرچہ باطل سے زیادہ کام مثلاً خدمتِ خلق کررہے ہوتے ہیں مگر باطل تھوڑی سی ہیلپ کر کے اپنے پروپیگنڈے اور مارکیٹنگ کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں اپنی اہمیت عزت و محبت پیدا کر دیتا ہے اور پھر ہم یہ شکوہ کرنے لگتے ہیں لوگ ہمارے کام کے باوجود ہم سے جڑتے کیوں نہیں ہیں۔

اپنے اندر اخلاص پیدا کرنے اور ریا کاری سے بچنے کے لیے انفرادی طور پر کسی کو بتائے بغیر نیکی کے کام ضرور کیا کریں مگر اجتماعی کاموں میں اخلاص اور ریا کاری سے زیادہ ہماری نظر خیر کے کام کی اشاعت،قوم کے ضروریات کی فراہمی اور ان سے ملنے والی دعاؤں پر ہونی چاہیے،لہذا جتنا کام کریں اسے لوگوں میں ضرور پھیلائیں تا کہ دوسروں میں بھی اس کے کرنے کا داعیہ پیدا ہو جس کے لیے آج کل آئی ٹی سیل کو سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے جس کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے، ہاں! رائی کے برابر کام کر کے اونٹ جتنی مارکیٹنگ بہرحال ایک مذموم عمل ہے۔

13۔اور پھر ہر سال پانچ سال دس سال پہ یہ احتساب یہ تجزیہ کریں کہ جو پلاننگ کی تھی کہ پانچ سال کے بعد معاشرہ اتنی بلند سطح پر اٹھ چکا ہوگا اس پلاننگ کے حساب سے تبدیلی آئی کہ نہیں اگر نہیں آئی تو کیوں نہیں پھر دوبارہ اپنی اسٹریٹجی بنائیں اور دوبارہ ٹارگٹ کو پورا کرنے کی جد و جہد کریں ؎

ہر قدم پر ہے احتساب عمل　　　اک قیامت پہ انحصار نہیں

14۔ تہجد اور دعاؤں کا اہتمام کریں:

ہم نے یہ ساری پلاننگ کرلی مگر جب تک اوپر سے اپرووَل نہیں ملتا ہم ذرا برابر بھی قوم کو نفع نہیں پہنچا سکتے ،تو اس قابلیت اور مقبولیت کے لیے ہمارا دعا کرنا اور اللہ سے لولگانا ضروری ہے خصوصاً تہجد کے وقت کیوں کہ یہ وقت اس رب سے قرب اور آئیڈیاز کے پنپنے کا وقت ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد فرض تھی تو ان کے وارث کو بھی اپنے اوپرا سے لازم پکڑنا ہوگا کیوں کہ

ع: کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

15۔ پھر اپنے ہم خیالوں کی ایک جماعت بنانی ہوگی، تا کہ ہم اپنے تجربات کا ایک دوسرے سے لین دین کرسکیں، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی کرواسکیں، جب کبھی محنت کر کے حوصلہ پست ہو جائے تو دوسرے ہم خیالوں کی محنت دیکھ کر دوبارہ نئے جوش وجذبے سے معمور ہوں، اوراپنی محنت اور کامیابی کا دوسرے کی کامیابی واحتساب سے تقابل کرتے ہوئے اپنا احتساب کرسکیں۔ ع: پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ!

یہ صرف ایک تحریر نہیں ایک علاقے کے ذمہ دار دوست کی طلب پر انقلاب لانے کی غرض سے لکھا گیا ایک اجمالی مگر جامع فارمولا ہے جس کی مزید فروعات پر ہم وقتاً فوقتاً ان شاء اللہ روشنی ڈالتے رہیں گے، یہ ایک تحریک ہے جسے لے کر ان شاءاللہ ہم پورے عالم خصوصا ہندوستان کے ہر مدرسے، ہر عالم، ہر گاؤں اور ہر شہر میں جائیں گے، آپ دعا فرمائیں اور ہمیں میں سے کچھ علماء کولابوریشن اور اشتراک کر کے اپنی وسعت وصلاحیت کے اعتبار سے ایک ایک بستی ایک ایک علاقے کو گود لے لیں اور دماغ کا رول ادا کریں یقین مانیں پانچ یا دس سال کے بعد ان شاءاللہ قوم کو ترقی کی ایک نئی ڈگر پر لانے میں ہم ضرور کامیاب ہوجائیں گے ۔

یہ کہہ رہی ہے اشاروں میں گردش گردوں　　　کہ جلد ہم کوئی سخت انقلاب دیکھیں گے

مشرقی ترکستان (سنکیانگ)؛ تاریخ اور موجودہ حقائق

ازقلم ....ابن مالک ایوبی

گذشتہ دو تین صدیوں سے عالم اسلام کا کوئی لمحہ اور پل ایسا نہیں گزرا ہوگا، جس میں تمام عالم اسلام کے باشندے، اعدائے اسلام کی جانب سے ذہنی یا جسمانی اذیت سے مکمل آزاد رہے ہوں، مختلف اسلامی ممالک لمبے عرصے تک کفری عفریت کی زد میں رہے یا اب بھی ہیں، ایک جانب سے کچھ لمحے سکون ملتا ہے، تو دوسری جانب کچھ نئے زخم لگ جاتے ہیں، تازہ زخموں سے نجات حاصل کرتے ہیں، تو پرانے زخم نئے ہو جاتے ہیں، ان تکالیف اور آزمائشوں کی ایک طویل فہرست ہے۔

البتہ اس وقت اہل اسلام کی کچھ اذیتیں دائمی اور مسلسل ہیں، جن میں فلسطین، شام اور کشمیر کے مسائل سرِ فہرست ہیں، ان ہی دائمی کربناک مسائل میں ایک اہم مسئلہ "مشرقی ترکستان" (چینی صوبہ سنکیانگ) کا ہے، افسوس کہ ہمیں اوپر کے تین تو یاد رہتے ہیں، لیکن اس چوتھے کی جانب ہماری نظرِ التفات نہیں جاتی۔

مشرقی ترکستان یا ایغور مسلمان اہل اسلام کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے، چینی آمریت کی وجہ سے ہم میں سے بیشتر ان کے حالات سے ناواقف رہتے ہیں، لیکن کبھی کسی ذریعے سے کچھ خبریں آتی ہیں، تو یقین نہیں ہوتا کہ اس متمدن عہد میں ایسا بھی ممکن ہے؟

اس تحریر میں ان کی تاریخ اور موجودہ صورت حال کو تفصیل سے جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔

مشرقی ترکستان مشرقِ اسلامی کی انتہا پر واقع، سبزہ زاروں اور قدرتی وسائل سے مالامال ایک زرخیز خطہ ہے، جغرافیائی اعتبار سے یہ علاقہ وسط ایشیا میں آتا ہے، جس کے مغرب میں سوویت

یونین سے آزاد شدہ ممالک، ازبکستان، قزاقستان اور تاجکستان، جنوب میں انڈیا اور پاکستان، مشرق میں چین اور شمال میں روس واقع ہیں۔تاریخ اسلامی کا معروف شہر"کاشغر"اسی علاقے کا حصہ ہے۔اس کا کل رقبہ 897,64,16 مربع کلومیٹر ہے، جو موجودہ چین کا تقریباً پانچواں حصہ بنتا ہے۔ گذشتہ مردم شماری کے لحاظ سے یہاں کی آبادی، 815,15,18,2 ہے، چین کی کل آبادی (140 کروڑ) کے مقابلے یہ بہت قلیل تعداد ہے۔

اسلام کی روشن کرنیں یہاں پہلی صدی ہجری میں پہنچ گئی تھیں، جب ولید بن عبدالملک کے دورِخلافت میں قتیبہ بن مسلم باہلی کو خراسان اور اس کے اطراف کا علاقہ سونپا گیا۔اس کے بعد 323 ہجری میں، یہاں کے دو لاکھ خاندان، سردارِ علاقہ کے ہمراہ مسلمان ہوئے، اور اس طرح یہ عالم اسلام کا مستقل حصہ بن گیا۔ یہاں کے باشندے اسلام کی روشن چھاؤں اور یہاں کی آزاد فضاؤں میں پر امن زندگی بسر کرتے رہے، تا آنکہ اسی حالت میں آٹھ صدیاں گزر گئیں، اس دوران اس سرزمین نے کئی جلیل القدر اور نامور علماء و دانشوران پیدا کیے۔

اس کے بعد 1759ء میں چین کے"چنگ خاندان"نے اس خطے پر لشکر کشی کی اور اس حملے میں تقریباً دس لاکھ مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا۔اس حملے کے بعد سے مشرقی ترکستان اسی خاندان کے زیرِ نگیں رہا، درمیان میں آزادی کی تحریکیں اٹھتی رہیں، لیکن وہ تحریکیں بہ زور دبا دی جاتیں، 1865ء میں ملا سید یعقوب بیگ نے ایک پرزور تحریک شروع کی، جس سے یہ علاقہ آزاد ہوا، لیکن بارہ یا بیس برس بعد (1877ء یا 1885ء میں) ملا یعقوب کی وفات کے بعد یہ علاقہ دوبارہ چینیوں کے قبضے میں چلا گیا۔اس کے بعد مختلف اوقات میں، مختلف تحریکیں اٹھتی رہیں، جن سے کچھ سالوں کی آزادی ملتی اور پھر چینیوں کا قبضہ ہو جاتا، یہاں تک 1949ء میں آخری بار چینی کمیونسٹ لیڈر"ماؤزے تنگ"

نے مکمل قبضہ کر کے اس کا نام "سنکیانگ" رکھ دیا۔

ایغور مسلمان آزادی اور انصاف کی لڑائی تو برسوں (1759ء) سے لڑ رہے تھے، لیکن نئی کمیونسٹ حکومت کے بعد، انہیں اپنے مذہب اور شناخت کے مسئلے سے بھی دو چار ہونا پڑا، ابتدا میں چند سال وہ اپنے مذہبی معاملات میں آزاد تھے، لیکن 1955ء کے بعد چین کی غاصب حکومت نے یہ جان لیا، کہ ان پر مستقل حکومت کے لیے، اسلام کی روشنی ان کی زندگی سے نکالنی پڑے گی، اور ان کی اسلامی شناخت کو مکمل ختم کرنا ضروری ہوگا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مختلف طریقے اپنائے، کبھی لالچ دیا، کبھی طاقت دکھائی، کبھی ڈرایا اور خوفزدہ کیا، لیکن اسلام اور اس کی روایات کو مضبوطی سے تھامے، مشرقی ترکستان کے مسلمان، ٹس سے مس نہ ہوئے۔

چین 1955ء سے 2010ء تک مختلف طریقوں سے ان کوششوں میں لگا رہا، اور ان پچپن برسوں میں سوائے ناکامی کے، اسے کچھ نہ ملا، جس کے بعد وہ غیر انسانی تشدد اور بہیمانہ طور طریقوں پر اتر آیا، اسے اندازہ تھا، کہ دنیا بھر کے پونے دو ارب (billion8.1) مسلمان گہری نیند سو رہے ہیں، ہم کچھ بھی کریں، ان کو خبر نہ ہوگی اور اگر وہ جان بھی گئے، تو اس خبر سے ان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگے گی۔

ایغور مسلمانوں پر مذہبی آزادی اور اسلامی شناخت کے متعلق پہلے ہی پابندیاں عائد تھیں، مختلف حیلوں سے انہیں مذہبی اعمال سے روکا جاتا تھا، 1955ء میں ان کی مساجد کی تعداد 16000 تھی، لیکن ان پابندیوں اور رکاوٹوں کی بنا پر، گھٹ کر نصف ہوگئی ہیں، لیکن ان رکاوٹوں کے باوجود، مشرقی ترکستان میں شمعِ اسلام فروزاں رہی، وہاں کے مسلمان اسلامیت سے مربوط رہے، جس کے بعد چین نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے دو منصوبہ بند عمل شروع کیے: 1-چائنا

پروجیکٹ، 2-ری ایجوکیشن کیمپس

1- چائنا پروجیکٹ، ایغور مسلمانوں کی نسلی شناخت مٹانے کا گھناؤنا اور حیوانی منصوبہ ہے، جس کا مطلب ہے: ایک فیملی بنو، یعنی مختلف قوموں، خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم ہونے کے بجائے، پورا ملک ایک فیملی بن جائے، جس میں یہ متعین نہ ہو، کہ کون کس کا باپ ہے اور کون کس کا بھائی...

چینی حکومت کی جانب سے مسلمانوں پر پابندیاں پہلے سے تھیں، 2013ء میں اسلامی احکام (جیسے نماز، روزہ) سے تعلق رکھنے والوں پر مختلف طریقوں سے شکنجہ کسا جانے لگا، سرکاری جاسوسوں کے ذریعے ان کے مذہبی اعمال کا پتہ لگایا جاتا، اور جو بھی نماز، روزے میں مشغول، یا ان کا معترف پایا جاتا، اسے گرفتار کر کے حراستی کیمپ میں محبوس کر دیا جاتا۔ امریکی رپورٹس کے مطابق، تقریباً 30 لاکھ بے قصور مسلمان ان کیمپوں میں مقید ہیں، اور اپنی جان و ایمان داؤ پر لگائے، آزادی کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

دوسری جانب، جن گھروں سے مسلمان مرد گرفتار کیے جاتے، وہاں ان کی ماں، بہن اور بیوی کی شکل میں عورتیں رہ جاتیں، ان عورتوں کی خواب گاہوں میں چینی ملحد مردوں کو بھیجا جاتا، تاکہ ان عورتوں سے جاری ہونے والی نسل، ایغور نسل کی نہ رہے، ان میں مشرقی ترکستان کے بجائے، چینی خون رواں ہو۔ یہ ہے وہ چائنا پروجیکٹ، جو چینی حکومت ایغور مسلمانوں کی قومی و نسلی شناخت مٹانے کے لیے، روبہ عمل لا رہی ہے۔ مشرقی ترکستان نیوجنریشن مومنٹ کے صدر، ڈاکٹر عبدالسلام کا کہنا ہے، کہ گیارہ لاکھ (1100000) سے زائد چینی ملحد اہلکار، ایغور مسلمانوں کے تقریباً 30 ملین گھروں کی عورتوں کے پاس، اس قبیح منصوبے کی تکمیل کے لیے، ایک یا زائد مرتبہ گئے۔ آپ اس

سے اندازہ لگا سکتے ہیں، کہ یہ بہیمانہ منصوبہ کتنے بڑے پیمانے پر جاری ہے، اور کتنی مائیں اور بہنیں اس کی شکار ہو رہی ہیں۔

2- ری ایجوکیشن کیمپس، ایغور مسلمانوں کی مذہبی شناخت مٹانے کا جبری طریقہ ہے، چین جس طرح مشرقی ترکستان سے "ایغور قومیت" کو ختم کرنا چاہتا ہے، ویسے ہی وہاں کی "اسلامی شناخت" کا بھی دشمن ہے، جس کے لیے اس نے "ری ایجوکیشن" کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ جس کے تحت، مسلمان بچوں کے متعلق، مختلف قانون صادر کیے گئے، جیسے بلوغت سے قبل کوئی بچہ مسجد نہیں جا سکتا، کسی مذہبی عمل میں شرکت نہیں کر سکتا۔ اسی منصوبے کے تحت، اس نے مختلف کیمپس تیار کیے ہیں، ان میں مردوں کے الگ ہیں اور بچوں کے الگ..

بچوں کے کیمپوں میں اکثریت ان نونہالوں کی ہے، جن کے افرادِ خانہ حراستی کیمپوں میں محبوس ہیں، چائنا ان بچوں کو رشتے داروں کے پاس، آزاد چھوڑنے کے بجائے ان کیمپوں میں قید کر دیتا ہے، جہاں ان کے ذہن سے اسلامی شناخت کھرچ کھرچ کی صاف کی جاتی ہے اور اس کی جگہ لا دینیت اور الحاد بھرا جاتا ہے۔ بڑوں کے کیمپوں کا بھی اہم مقصد یہی ہے، لیکن ان کے لیے تشدد آمیز اور سخت گیر طریقے آزمائے جاتے ہیں، اس لیے ان کے کیمپ جدا ہیں، پھر بڑوں اور بچوں کو ساتھ رکھنے سے، بڑوں کی فکر بچوں میں منتقل ہونے کا خدشہ ہے۔

ڈاکٹر عبد السلام کہتے ہیں، کہ تاریخ انسانی میں بچوں کے حراستی کیمپ کا کوئی وجود نہیں ملتا، چائنا اس باب میں پہلا مجرم و ظالم ہے، جس نے اس طریقۂ جبر کو اختیار کیا۔ بچوں کے کیمپ کو چائنیز school of angels (فرشتوں کا اسکول) کہتے ہیں، جن میں چار لاکھ (400000) سے زائد مسلمان بچے مقید ہیں۔ چونکہ اس کے ذریعے مسلمان مردوں (بالغ و نابالغ) کے دل و دماغ

سے جبراً اسلامیت مٹا کر، الحاد ٹھونسا جاتا ہے، اس لیے اسے ”ری ایجوکیشن“ کا نام دیا گیا ہے۔

ان تمام تفصیلات سے ”مشرقی ترکستان“ اور ”ایغور مسلمان“ کی روشن تاریخ کے ساتھ، ان کا تاریک حال اور موہوم مستقبل واضح ہو گیا ہوگا، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں، کہ دیگر مغصوبہ مقامات اور مظلوم قوموں کی طرح مشرقی ترکستان کا مسئلہ کس قدر اہم اور قابلِ غور ہے، بلکہ اور جگہوں پر مسلمان صرف جان و مال کی آزمائش میں مبتلا ہیں، لیکن یہاں ان کی اور ان کی نسلوں کی متاعِ حیات، ان کا مذہب ہی خطرے میں ہے۔

عالمِ اسلام کو اس حوالے سے سنجیدہ اور متفکر ہونے کی ضرورت ہے، جن ممالک کے چائنا کے ساتھ تعلقات ہیں، ان کو اس پہلو پر گفتگو کرنی چاہیے، جس طرح تجارتی وعسکری معاہدے کرتے ہیں، اس تعلق سے بھی کچھ پیش رفت کریں۔ اور فلسطین وکشمیر کے لیے دعا گو رہنے والے نیک دل اور فکر مند حضرات جس طرح ان دو مقامات کے حق میں دعا کرتے ہیں، مشرقی ترکستان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

چراغِ شبلیؒ

جہانِ اردو ہے روشن چراغِ شبلی سے
ہر ایک جام ہے لبریز ایاغِ شبلی سے

اسی کی آتشیں لے سے ہے نغمۂ تاریخ
گلہائے لالہ بھی تازہ ہیں داغِ شبلی سے

کسی بھی طور نہیں جرأتِ نوا سنجی
کلاغ خوف زدہ ہے یوں ماغِ شبلی سے

قلندری کا ہے دعویٰ تجھے مگر ثانی
ہے تیری دقتِ نظری دماغِ شبلی سے

اسی کے سوز سے فن تیرا معتبر بھی ہوا
ملا ہے اپنا پتہ بھی سراغِ شبلی سے

ہے نظم و نثر کی دنیا اسی طرح آباد
ہوائے مشک بو آتی ہے باغِ شبلی سے

ثانیؔ اررياوی

بیت المقدس ایک اور صلاح الدین ایوبی کا منتظر

ازقلم ....عادل سلیمان

بیت المقدس عالم اسلام ہی نہیں دنیائے عیسائیت کے لیے بھی غیر معمولی مذہبی اور روحانی اہمیت کا حامل مقام ہے۔مسلمانوں کے لیے اس کی اہمیت اس لیے بھی دو چند ہے کہ یہ شہر معراج مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سفر اور مسلمانوں کی مذہبی علامت ہے۔عیسائی القیامہ چرچ کی وجہ سے بیت المقدس کو مذہب کی علامت قرار دیتے ہیں۔مگر گذشتہ نصف صدی سے یہ شہر غاصب صہیونی ریاست کے ناجائز تسلط میں ہے۔صہیونی دشمن نے جون 1967ء کی جنگ میں مشرقی بیت المقدس پر قبضہ جمایا جب کہ مغربی بیت المقدس پر صہیونی فوج نے سنہ 1948ء کی جنگ میں تسلط جمالیا تھا۔

سنہ 1967ء کی جنگ میں صہیونی فوج نے نہ صرف بیت المقدس پر قبضہ کیا بلکہ شام کے وادی گولان،مصر کے جزیرہ نما سیناء صنافیر اور تیران جزیروں، اردن کی مزارع شعبا اور جنوبی لبنان کے الغجر قصبے اور مغربی کنارے پر بھی غاصبانہ تسلط جمالیا۔ یہ درست ہے کہ بیت المقدس کو آزاد نہیں کرایا جاسکتا اور اس کی آزادی اتنی آسان بھی نہیں مگر ناممکن ہرگز نہیں۔

سنہ انیس سو سڑسٹھ کی جنگ کے بعد عرب ۔ اسرائیل کشمکش وسعت اختیار کرگئی۔ بیت المقدس اور فلسطین کے دوسرے علاقوں پر غاصبانہ تسلط جمانا عالمی صہیونی تحریک کا مقصد تھا۔یہی وجہ ہے کہ صہیونی ریاست نے طاقت کا استعمال کرتے ہوئے بیت المقدس کے مغربی اور مشرقی دونوں حصوں پر تسلط کے بعد فلسطین کے دوسرے علاقوں پر بھی قبضہ جمالیا۔

پڑوسی ملکوں کی اراضی پر قبضے کے بعد صہیونی ریاست ماضی کی نسبت زیادہ ناقابل قبول ہوگئی اور اسے مشرق وسطیٰ کا بہت بڑا مسئلہ قرار دیا جانے گا۔ عالمی برادری کی طرف سے بیت المقدس پر اسرائیلی قبضے کے خاتمے کے لیے کوئی موثر کوشش نہ کی گئی اور نہ ہی فلسطینی قوم کے مفاد میں کوئی موثر قدم اٹھایا گیا۔

عرب ممالک کی طرف سے ایک بے معنی سی القدس کمیٹی قائم کی گئی جس کی قیادت مراکش کے فرمانروا کو سونپی گئی اور اس کا دفتر رباط میں بنایا گیا۔ اس کمیٹی کے قیام کا مقصد بیت المقدس پر اسرائیلی ریاست کے غیر قانونی قبضے کے معاملے کو زندہ رکھنا، اس کے لیے کوششیں کرنا، شہر کی عرب اور اسلامی شناخت کا تحفظ کرنا، اسے یہودیانے اور صہیونی عبرانی ریاست کا دارالحکومت بنانے کی سازشوں کا سد باب کرنا تھا۔

بیت المقدس پر اولاد صہیون کے پچاس سالہ تسلط کے دوران عربوں نے القدس کے حوالے سے سیکڑوں ترانے اور نغمے تیار کیے اور گائے۔ ان گنت نعرے تیار بنائے اور لگائے گئے کہ ہم لاکھوں مسلمانوں کا لشکر لیے القدس پہنچ رہے ہیں۔

مسلمانوں کی کوششیں نعروں، بیانات اور کمیٹیوں تک محدود رہیں جب کہ صہیونی ریاست بیت المقدس کو یہودیانے کے لیے عملی سازشوں میں دن رات سرگرم عمل رہی۔

اسرائیلی قبضہ صرف مشرقی بیت المقدس کے علاقوں پر نہیں بلکہ اس میں موجود تاریخی دینی مقامات جن میں مسجد اقصیٰ، قبۃ الصخرۃ، کنیسہ القیامہ پر قبضہ کرنے کے ساتھ دسیوں یہودی کالونیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ مسجد اقصیٰ کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے لیے اس کے نیچے سرنگوں کا جال بچھایا جارہا ہے اور نام نہاد ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کی تلاش کے دوران مسجد اقصیٰ کی بنیادیں کمزور کی جارہی ہیں۔

بیت المقدس میں رہنے والے فلسطینیوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ ان کے گھر مسمار کیے جا رہے ہیں اور نئے گھر بنانے کی اجازت نہیں۔ انہیں کاروبار کرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اب فلسطینیوں کے پاس چند ایک پرانی کالونیاں رہ گئی ہیں۔

اسرائیلی ریاست کی ناروا پابندیوں کے باعث مقبوضہ مغربی کنارے کے فلسطینی بھی نماز کے لیے بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ میں نہیں جا سکتے۔ یہاں تک کہ مقبوضہ مغربی کنارے کے علاقوں کو بھی یہودیانے کے لیے 'یہودا اور سامرا' کی اصطلاح کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اکتوبر سنہ 1973ء کے بعد صہیونی ریاست نے مشرق وسطیٰ کے ایک بڑے مسئلے سے خود کو نکالنے میں مصر کے ساتھ سمجھوتے اور سنہ 1993ء میں عارضی فلسطینی اتھارٹی کے قیام اور اوسلو معاہدے کے ذریعے اردن کے ساتھ بھی اپنے تعلقات کے قیام کی راہ ہموار کر لی۔

ایک طرف عرب ممالک نے صہیونی ریاست کے سات جنگ بندی اور مصالحت کی راہ اپنائی تو اس کے ساتھ ہی فلسطین میں اسلامی تحریک مزاحمت 'حماس' جیسی دوسری فلسطینی مزاحمتی تنظیموں نے سر اٹھایا۔ سنہ 2006ء میں صہیونی ریاست نے غزہ کی ناکہ بندی شروع کی اور ایک عشرے میں تین جنگیں مسلط کر کے تباہی اور بربادی کی نئی مثالیں قائم کی گئیں۔ حتیٰ کہ معاملہ آج 'صدی کی ڈیل' نامی ایک نئی اور انتہائی خطرناک سازش تک پہنچ چکا ہے۔ قضیہ فلسطین کے تصفیہ کے لیے غزہ کی پٹی کو رام اللہ اتھارٹی کے زیر انتظام لایا جا رہا ہے۔

بیت المقدس کی آزادی نہ تو آسان تھی اور نہ ہی آسان ہوگی مگر یہ ناممکن ہرگز نہیں۔ جب تک القدس پر صہیونی ریاست کا ناجائز تسلط قائم ہے فلسطینیوں کی روح مزاحمت بھی زندہ ہے۔ گو کہ مزاحمتی قوتوں کو محصور کر کے صدی کی ڈیلیں طے کی جا رہی ہیں۔ کیا القدس کو آج کسی اور صلاح

الدین ایوبی کی ضرورت ہے جو جہاد کی روح بیدار کرے اور اللہ کے حکم سے القدس کو آزاد کرتے ہوئے اس میں داخل ہو۔

غزہ کی پٹی کا محاصرہ اور حماس کے گرد گھیرا تنگ کرنے میں صرف اسرائیل ہی نہیں بلکہ خطے کے دوسرے ممالک اور فلسطینی اتھارٹی بھی اس کارشر میں برابر کے شریک رہے۔ یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہوا جب خطہ کھا جانے والے بحرانوں کا شکار ہوگیا۔ حماس پر دباؤ بڑھا تو اس نے غزہ کی پٹی سے دست کش ہونے اور انتظامی امور محمود عباس کے سپرد کرنے کا اعلان کیا۔ حماس نے اپنی کم سے کم قومی امنگوں اور مطالبات پر قائم رہتے ہوئے حکومت سے الگ رہ کر اسرائیل کے خلاف مسلح مزاحمت جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

اس سارے کھیل تماشے میں بیت المقدس کہاں ہے۔ کیا بیت المقدس کی آزادی کا مطالبہ قائم ہے؟ اور کیا القدس کی آزادی ممکن ہے؟ اس سے بھی اہم ترین سوال یہ ہے کہ بیت المقدس کو کون آزاد کرائے گا۔ جہاں تک عرب ملکوں کا تعلق ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے میں لگے ہوئے ہیں۔ عرب حکمران اپنے اقتدار اور کرسیاں بچانے کے چکروں میں ہیں۔ اور رہے عرب ملکوں کے عوام تو انہیں روس میں 2018ء میں ہونے والے فٹ بال ورلڈ کپ کی تیاریوں سے فرصت نہیں۔

کیا ہم صلاح الدین ایوبی کی واپسی کا انتظار کریں جو ہمیں بیت المقدس صلیبیوں کے بعد اب ایک بار صہیونیوں سے بھی آزاد کرا کے دے۔ اگر یہ محض وہم اور خواب ہے تو ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ صلاح الدین ایوبی اور اس کے ہاتھ سے بیت المقدس کی آزادی ایک حقیقت تھی۔ صلیبیوں نے ایک صدی تک القدس پر قبضہ جمائے رکھا اور کوئی وہاں مسلمان فاتح نہیں جا سکا یہاں

تک کہ معرکہ حطین میں دو جولائی 1187ء کو صلاح الدین ایوبی بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ 20 ستمبر سے 2 اکتوبر 1187ء تک جاری رہا۔

اس کے بعد صلیبی جنگجوؤں نے صلاح الدین ایوبی سے مذاکرات کیے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے شہر میں موجود تمام آبادی کو ان کی جان و مال کی امان بخشی۔ اس کے بعد یورپی بادشاہوں نے برطانوی شہنشاہ رچرڈ اول فرانسیسی فیلپ اگسٹس نے ستمبر 1191ء میں بیت المقدس کی طرف بڑھنے اور اس پر دوبارہ قبضے کی ناکام کوشش کی مگر صلیبیوں کی یہ پیش قدمی ناکام رہی۔

یہ لڑائی ایک سال تک جاری رہی یہاں تک کہ ستمبر 1192ء میں صلیبیوں کو ایک بار پھر مذاکرات پر مجبور ہونا پڑا اور القدس کو تینوں آسمانی مذاہب کے پیروکاروں کے لیے کھول دیا گیا۔

(بشکریہ مرکز اطلاعات فلسطین)

اجتماعِ عید

فائدہ یہ ہو رہا ہے اجتماعِ عید سے
آشنا ہم ہو رہے ہیں جذبۂ توحید سے

کیوں خیالی درجہ بندی میں ہو ترتیبِ نزول
سیدھی سچی بات کو مطلب ہی کیا تمہید سے

اتحادِ باہمی کا بھی سبق مستور ہے
آیئے زندہ کریں اس عہد کی تجدید سے

ہر جگہ ہوگا خوشی کا بول بالا خوب خوب
عدل کے اثبات سے اور ظلم کی تردید سے

خواب تو دیکھے ہیں، اب تعبیر بھی درکار ہے
اب ضروری ہے کہ ہم بیدار ہو لیں نیند سے

ثانیؔ ارریاوی

کون ہے دہشت زدہ؟ اور کون دہشت گرد ہے؟

ازقلم...زبیر احمد ثانی/استاذ جامعہ

دنیا کے حالیہ تغیرات اور منظر نامہ کے بدلاؤ سے عالمی برادری کے مزاج اور اقوام عالم پر اپنی چودھراہٹ کا جھنڈا لہرانے والے چودھری کی پہچان ہو ہی گئی ہے، انسانی پیکر میں بلاد عالم پر اپنی ناروا حکومت اور تسلط سے خدائی کا دعویٰ کرنے والی طاقت، پردۂ زنگاری سے باہر آ گئی ہے اور دنیا کو تقریبا معلوم ہو چکا ہے کہ امن وسکون کی جھوٹی لوری اور عالمی امن معاہدے کے ڈھکوسلے کی حقیقت کیا ہے؟ جب اسرائیلی درندے نہتے فلسطینیوں پر چڑھ بیٹھتے ہیں تو ساری عالمی امن کونسلیں خاموش تماشائی بنی رہتی ہیں؛ بلکہ تماش بینوں کی طرح لطف اندوز ہوتی ہیں اور چٹخارے لیتی ہیں، اور معصوم ہاتھوں کے ذریعے پھینکے گئے تاریخی داؤدی پتھر سے جیسے ہی کوئی یہودی مرتا ہے تو پوری عالمی برادری اور اقوام متحدہ کا پورا عملہ کراہ اٹھتا ہے۔ اور پھر مظلوموں پر دہشت گردی کا بدنما الزام دھر دیا جاتا ہے۔

موجودہ وقت میں امن عامہ اور چین وسکون کے سب سے بڑے دشمن اور انسانیت کے قاتل اعظم کو امن کے داعی اور انسانیت کے مسیحا کا لقب ملتا ہے، اور امن وامان انسان دوستی و بھائی چارے کے داعی اور امن واخوت کی فضا قائم کرنے والے کو دہشت گرد کہا جاتا ہے یہ لفظ کب وجود میں آیا اور اس کا استعمال کرنے والے کون سے لوگ ہیں اس کا مکمل اندازہ ہو ہی چکا ہے کہ یہ اصطلاح مخصوص عناصر نے گڑھ رکھی ہے، اور جو ان کے موافق بولتے ہیں ان کی سر میں سر ملاتے ہیں ان کو اپنے حساب سے القابات سے نوازتے ہیں، اور جو ان کی مجرمانہ کارروائیوں میں آڑے

آتے ہیں ان کو اپنے یہاں کے اسکول سے دہشت گرد گھوشت کر دیا جاتا ہے۔

تبلیغی جماعت جس کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ کسی فرد بشر کو زبان سے بھی زک نہ پہنچایا جائے، اس پر دہشت گردی کا خطرناک الزام خود میں بڑا ہی تعجب خیز ہے، آج تک ان بندگان خدا کی پوٹلی سے چھوٹا سا چاقو بھی برآمد نہیں ہوا ان پر دہشت گردی کے ایسے گھناؤنے الزامات جائے تعجب ہے، ایک اور الزام لگایا گیا ہے اور وہ بدعات کی تبلیغ کا الزام ہے، یہ الزام بھی پہلے الزام کی طرح جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔ تاریخ میں اس سے بڑا جھوٹ تصنیف نہیں کیا گیا، تبلیغی جماعت کا سلسلہ ہی کلمۂ لا إلہ إلّا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ورد اور بشری اعمال میں سنت نبویہ کے التزام سے شروع ہوتا ہے، کھانے کی کتنی سنتیں ہیں؟ وضو کی کتنی سنتیں ہیں؟ غسل کی کتنی سنتیں ہیں؟ نماز کی کتنی سنتیں ہیں؟ گفتگو کا طریقہ کیا ہے؟ سلام کا کتنی سنتیں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ تمام اعمال وحوائج بشریہ کی سنتیں ان سب کا ورد کرایا جاتا ہے اور ان کی عادت ڈلوائی جاتی ہے، اسی کے مدومعاون کے طور پر فضائل اعمال کا درس ہوتا ہے، اور فضائل اعمال بھی مفروضے کی بنیاد پر نہیں لکھی گئی ہے، اس میں جو واقعات واوراد ہیں وہ سب کتب معتبرہ کو سامنے رکھ کر نقل کے گئے ہیں، لیکن جب مقصود ہی کچھ اور ہو تو ہر وضاحت کے ہزار دفتر ناکافی ہیں۔

سنت شعار وامن پسند تبلیغی جماعت پر یہ دو الزامات اس لیے عائد کے گئے تاکہ اپنی دہشت گردی کو فروغ دیا جاسکے، اور تاکہ خود کو بدعات وخرامات کے گہرے کنویں میں دھکیلا جاسکے ان دونوں مجرمانہ کارروائیوں پر نقد کرنے والی اور اصلاحی روڑا اٹکانے والی جماعت یہی طائفۂ منصورہ ہے، افغانستان انقلاب کی تناظر میں اور اس کے بعد ابھی حالیہ دہشت گردی کے الزام سے الحمد اللہ خاکسار کو دیوبند کے طائفۂ منصورہ ہونے پر دھلتے سورج کی طرح یقین ہوگیا، یہ وہی طائفہء

منصورہ ہے جس کی نشاندہی متعدد احادیث مبارکہ میں فرمائی گئی ہے اور اس کے عروج سے عالمی برادری کی کھسیاہٹ سے مسلک دیوبند اس کا مصداق ہے اور خاکسار خدا کا شکرگزار ہے کہ یہ اس طائفۂ منصورہ میں شامل ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں ہر طرح کے زیغ وضلال اور گمراہی سے محفوظ رکھے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے آمین۔

خطرناک خطیب

مستند اہل نظر میں ہے مری بات قبول
قدرت حق سے مجھے دیدہ ءبینا ہے نصیب

تم کو تاریخ امم کیا نہیں بتلاتی ہے
قوم کے حق میں دوا بھی ہے زہر بھی ہے خطیب

آپ کی شان میں اب اور بھلا کیا کہیے
دو ہی پیسے میں یہ بک جاتے ہیں اتنے ہیں غریب

ملحدوں سے گو ملیں خوب گرم جوشی سے
اہل اسلام کو یک لخت بتاتے ہیں رقیب

کبھی مشرق کے بتوں سے نہیں ہٹتی ہے نگاہ
گاہ یہ مغربی آقاؤں کو رکھتے ہیں حبیب

دیں کو کہتے ہیں سیاست سے معارض ہے بہت
اور پھر اہل سیاست سے بھی رہتے ہیں قریب

مجھ سا آشفتہ نظر کیسے نہ حیران رہے
کہ قلندر کی نگہہ بھی جنہیں کہتی ہے عجیب

نہیں معلوم کھلائیں گے بھلا کیا کیا گل
قوم بیمار کے حق میں یہ خطرناک طبیب

خود ہی تخریب نشیمن میں یہ رہتے ہیں مگن
خود کو بتلاتے ہیں معمار جہاں قومی نقیب

جن کے ہاتھوں ہوا اسلام بے چارہ محبوس
ابن مریم کی طرح قوم کو دیتے ہیں صلیب

ثانی بے چارہ کسی کام کا اب ہے ہی نہیں
کشتی عشق بھنور میں ہے تو پھوٹا ہے نصیب

ثانی ارریاوی

تعارف جامعہ

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم معماری، ضلع بردوان (مغربی بنگال) خلوص للّٰہیت کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت کو فروغ دینے میں ہمہ تن مصروف رہنے کی وجہ سے یکسر محتاج تعارف نہیں ہے۔ (رب جلیل اس گلشن علم وحکمت کو نظر بد سے بچائے اور خوب پھلنے پھولنے کا موقع عطا فرمائے) مگر چونکہ دور حاضر میں عالمی ذرائع ابلاغ اہم ترین ضروریات زندگی میں شامل ہیں اس لئے نئی نسل کے دماغ میں مراکز دین کی اہمیت وضرورت پیدا کرنے اور پوری دنیا میں دینی حلقوں کی غیر معمولی توسیع کے پیش نظر اہل خیر حضرات تک جامعہ کا تعارف آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

اب تک جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم اپنی دینی خدمات کی بدولت پورے مشرقی ہند میں ایک مرکزی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ صوبہ مغربی بنگال کے اس ادارے کو بحمد اللہ یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ مغربی بنگال میں سب سے پہلے دورۂ حدیث اور افتاء تک کی تعلیم کا نظم ونسق اسی ادارے کے ذریعے ہوا۔ اب مزید ترقی کی راہوں پر چلتے ہوئے جامعہ ہذا مندرجہ ذیل شعبہ جات پر مشتمل ہے۔ شعبہ ناظرہ کلام پاک، تحفیظ القرآن کریم، تجوید وقرأت، عالمیت، افتاء، تکمیل ادب، صنعت وحرفت، شعبہ دعوت وتبلیغ، نشر واشاعت، تدریب المدرسین وائمہ مساجد۔ ان شعبوں کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) **شعبۂ ناظرہ کلام مجید:** اس شعبہ میں صرف ان طلباء کا داخلہ ہوتا ہے جن کا ارادہ آگے چل کر حفظ قرآن کرنے کا ہوتا ہے۔ ان کو مکمل قواعد تجوید کی رعایت کرتے ہوئے روانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے پر قادر بنا کر شعبہ حفظ میں داخل کرایا جاتا ہے تاکہ حفظ قرآن میں کسی طرح کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ شعبہ جامعہ کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) **شعبۂ تحفیظ:** اس شعبہ میں مناسب تعداد میں چھوٹے چھوٹے گروپ میں طلباء کو تقسیم کر کے ایک ایک استاذ کی نگرانی میں دے دیا جاتا ہے اساتذۂ کرام اوقات جامعہ کے علاوہ خارجی اوقات میں بھی ان کی نگرانی فرماتے ہیں اور ہر سال جید حفاظ کرام کی ایک بڑی جماعت تیار کر کے امت کو بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں۔

(۳) **شعبۂ تجوید:** یوں تو عربی کے ابتدائی درجات میں تجوید داخل نصاب ہے۔ اور اس کیلئے ہر جماعت کا ایک ایک گھنٹہ مقرر ہے جس میں قراٗ حضرات طلباء کو ترتیل، تدویر، حدر کی مشق کے ساتھ تجوید کی کتابیں مثلاً اصول التجوید، جمال القرآن، فوائد مکیہ، المقدمۃ الجزریہ وغیرہ پڑھاتے ہیں۔ لیکن شعبہ تجوید ایک مستقل اور علاحدہ شعبہ ہے۔ جس میں فارغین جامعہ کے علاوہ دیگر مدارس کے علماء وحفاظ بھی داخلہ لیتے ہیں اور ایک سالہ کورس میں سند قرأت حفص حاصل کر کے دینی خدمات میں لگ جاتے ہیں۔

(۴) **شعبۂ عالمیت**: اس شعبہ میں ابتدائی درجات سے لیکر انتہائی درجہ (دورۂ حدیث) تک کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔ دار العلوم دیوبند کے نصاب تعلیم کے ساتھ ہم آہنگی رکھتے ہوئے عربی درجات میں جہاں علم تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، نحو، صرف، منطق، فلسفہ وغیرہ علوم نقلیہ وعقلیہ، علوم اصلیہ وفرعیہ کی تعلیم دی جاتی ہے وہیں جنرل ایجوکیشن میں بنگلہ، انگریزی، حساب، جغرافیہ، سائنس وغیرہ کی تعلیم کا بھی انتظام ہے

(۵) **شعبہ افتاء و دار الافتاء**: زمانہ کے بدلتے حالات کے ساتھ نئے نئے مسائل رونما ہورہے ہیں ان مسائل کو شرعی اصول وضوابط کے مطابق حل کر کے امت کے سامنے پیش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت میں شامل ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس شعبہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس شعبہ میں طلبائے جامعہ، نیز دیگر مدارس کے فضلاء جنہیں کتاب فہمی کا کچھ ملکہ ہے ان کی جانچ پڑتال کے بعد داخل کر لیا جاتا ہے اور ایک سال کی مدت میں فتویٰ نویسی کی مشق اور فتاوے کی کتابیں پڑھ کر اور سلگتے مسائل کے حل کا صحیح طریقہ سیکھ کر امت کی پیاس بجھانے میں لگ جاتے ہیں۔

(۶) **شعبہ تکمیل ادب**: عربی زبان ایک زندہ زبان ہے اس کی حلاوت اور چاشنی کے سامنے تمام زبانیں پھیکی پڑ جاتی ہیں۔ عربی زبان میں درک ومہارت کے بغیر عربی مصادر ومراجع سے کماحقہٗ استفادہ ممکن نہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر شعبہ تکمیل ادب کا قیام عمل میں آتا ہے اس شعبہ میں جامعہ اور جامعہ کے علاوہ دیگر مدارس کے باذوق فضلاء کی جانچ پڑتال کے بعد داخلہ لیا جاتا ہے۔

(۷) **شعبہ صنعت و حرفت**: دینی علوم کے ساتھ طلباء کو دنیاوی ہنر بھی سکھائے جاتے ہیں تاکہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی انھیں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس شعبہ میں خیاطی، الیکٹرانک، گھڑی سازی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔
(۸) شعبہ کمپیوٹر: جو طلباء انگریزی زبان جانتے ہیں، ان کی جانچ کے بعد انہیں اس شعبہ میں داخلہ دیا جاتا ہے، جس میں انہیں D.T.P اور دیگر ابتدائی کورس سکھائے جاتے ہیں۔

(۹) **شعبہ نشر و اشاعت**: طلبائے عزیز میں خوابیدہ علمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ طلباء مضمون نگاری میں مہارت حاصل کریں، اس کیلئے عربی، اردو اور بنگلہ زبان میں ہر ماہ اساتذہ کی نگرانی میں دیواری پرچے نکالے جاتے ہیں۔ جس میں طلباء بڑے ذوق کے ساتھ مضامین لکھتے ہیں۔ اور انہیں ترتیب دیکر پرچے کی شکل میں نکالتے ہیں۔ جب کہ جامعہ ہذا کی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ دیگر سرگرمیوں کی مکمل معلومات کے ساتھ عربی، اردو اور بنگلہ میں علی الترتیب 'مشاعر الامۃ' 'صدائے مدینۃ العلوم' اور 'مولیہ بدھ' سہ ماہی رسالے شائع کئے جاتے ہیں۔ الحمد للہ یہ تینوں رسالے انتہائی مستند اور مفید ہیں۔

(۱۰) **شعبہ تدریب المعلمین**: اس شعبہ میں فارغ التحصیل طلباء کو درس تدریس کی تربیت دی جاتی ہے نیز طلبائے عزیز کے ساتھ اساتذہ کے حسن سلوک کا سبق بھی باور کرایا جاتا ہے۔ ائمہ مساجد کو امامت کے درست طریقے

کی علمی مشق کرائی جاتی ہے۔

(۱۱) **بریل سسٹم کورس کے ذریعے نابیناؤں کی تعلیم:** بینائی سے محروم لوگوں کو معاشرے کیلئے بوجھ تصور کیا جاتا ہے
لوگ انہیں نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔حتیٰ کہ بینائی سے محروم بچے اپنے والدین کی محبت وشفقت سے بھی بڑی حد تک محروم رہتے ہیں۔ان کی تعلیم وتربیت کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ایسے بچوں میں بیشتر بچے اپنی بھوک پیاس بجھانے کیلئے بھیک مانگنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔جامعہ نے ایسے بچوں کی تکلیفوں کو محسوس کرتے ہوئے انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے اور معاشی طور پر خود کفیل بنانے کیلئے بریل سسٹم کورس شروع کیا ہے۔اس شعبہ میں امسال ۲۳ بچے زیرِ تعلیم ہیں۔

ضروریات جامعہ : (۱) دارالطعام (ڈائننگ ہال) (۲) فیملی کوارٹرس (۳) ہاسٹل کی توسیع (۴) شعبہ کمپیوٹر کیلئے مزید ۳۰ عدد کمپیوٹر۔

منصوبے : (۱) آئی آئی ٹی کالج کا قیام (۲) گرلس مدرسہ (برائے مومنہ کورس) کا قیام (۳) مکاتب کا قیام (۴) اسپوکین عربی، انگلش کورس (۵) ریسرچ سنٹر برائے علماء وفضلاء۔

جامعہ ہذا میں تشریف لانے والے بعض اکابرین علمائے دین ومخیرین حضرات

- ☆ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند
- ☆ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم ہند ودارالعلوم دیوبند
- ☆ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ عربیہ ہتھوڑا، باندہ
- ☆ حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق استاذ ادب دارالعلوم دیوبند
- ☆ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم (وقف) سہارن پور
- ☆ حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
- ☆ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سابق صدر جمعیۃ العلماء ہند
- ☆ جانشینِ شیخ الاسلام حضرت مولانا ارشد مدنی، صدر جمعیۃ العلماء ہند وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند
- ☆ حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق رکن دارالعلوم دیوبند)
- ☆ حضرت مولانا طلحہ صاحب خلف احسن حضرت شیخ الحدیث مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
- ☆ حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث سہارن پور

☆ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ ساؤتھ افریقہ

☆ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہ مہتمم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، مہاراشٹر

☆ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات

☆ حضرت مولانا سلمان صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم سہار پور

☆ حضرت مولانا سید اسجد مدنی رکن جمعیۃ العلماء ہند

☆ جناب عبدالباری صاحب سابق صدر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

☆ جناب ڈاکٹر محمد اعظم صاحب قاسمی، لکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ

☆ جناب ڈاکٹر کفیل احمد قاسمی، صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

☆ جناب پروفیسر مسعود عالم صاحب شعبۂ اسلامی مطالعات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

☆ حضرت مولانا مفتی یوسف صاحب، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

☆ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

☆ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

☆ حضرت مولانا محمد سلمان حسینی ندوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری، استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

☆ حضرت مولانا بلال عبدالحئی حسینی ندوی، مدرس مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد

☆ حضرت مولانا سید اخلد مدنی، مدینہ منورہ

☆ حضرت قاری رضوان نسیم صاحب، استاذ قرأت مدرسہ مظاہر العلوم، سہارن پور

☆ حضرت مولانا مفتی غیاث الدین صاحب، صدر ریاستی جمعیۃ العلماء آندھرا پردیش

☆ حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد رحمۃ اللہ علیہ، احمد آباد

☆ جناب حافظ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، سابق نائب مہتمم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

☆ جناب حاجی ابراہیم دادا، سورت

☆ حضرت مولانا محمد ایوب صاحب ندوی، بھٹکل، کرناٹک

☆ حضرت مولانا مفتی محمد قاسم ملا صاحب، گودھرا، گجرات

☆ حضرت مولانا قاری فضل الرحمن صاحب امام عیدین، کولکاتا

☆ حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب، مرکز نظام الدین، دہلی

☆ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب قاسمی، صدر جمعیۃ العلماء، برما، رنگون

☆ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب قاسمی، دارالعلوم رحمانیہ، حیدرآباد

☆ حضرت مولانا ڈاکٹر کفیل احمد قاسمی (صدر شعبہ عربی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

☆ حضرت مولانا محمد سلیم قاسمی صاحب بڑودوی (امام وخطیب جامع مسجد بڑودہ)

☆ حضرت مولانا انعام الحق قاسمی صاحبزادہ علامہ محمد اکرام رحمۃ اللہ علیہ (خادم دارالعلوم کنتھاریہ)

☆ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی رحمۃ اللہ علیہ (سابق استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا)

☆ حضرت مولانا پرویز احمد صاحب، شیخ الحدیث جامعہ جلالیہ ہوجائی آسام

☆ حضرت مولانا قمرالزماں صاحب، الہ آباد

☆ حضرت مولانا محمود الحسینی ندوی

☆ جناب مرحوم سلیم بھائی، لکڑاوالا، ممبئی

☆ جناب نور محمد صاحب، فروٹ والا، ممبئی

☆ جناب رفیق بھائی، دودھ والا، ممبئی

☆ جناب مرحوم سلطان احمد صاحب، کولکاتا

☆ جناب نور محمد صاحب، حلائی والا، ممبئی

☆ جناب اشفاق احمد صاحب ممبئی

☆ جناب ڈاکٹر ثناء اللہ صاحب، علی گڑھ

☆ جناب حافظ انور صاحب، کولکاتا

☆ ☆ ☆

















Urdu Quarterly -

SADAYE MADINATUL ULOOM

JAMIA ISLAMIA MADINATUL ULOOM

Madina Market, Memari, Purba Bardhaman, West Bengal, India

Ph. : +91-342-2252448-2260821. Mob. : +91-9434002576

Web . jamiaislamiamemari.org * Email : jamiamemari@gmail.com

Editor : Zubair Ahmad Saani